شمارہ نمبر ۲۸

ربیع الاول ۱۴۳۲ھ الموافق فروری ۲۰۱۱ء
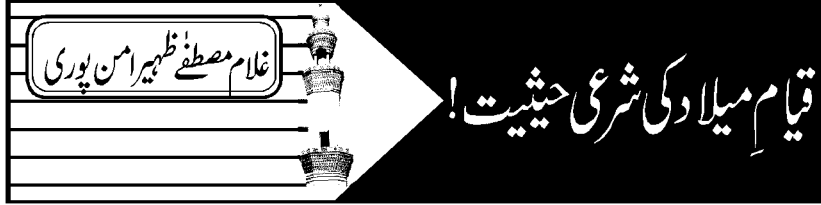
محفلِ میلاد وغیرہ میں نبیِ اکرم ﷺ کے ذکرِ خیر پر کھڑے ہو جانا بے اصل اور بے ثبوت عمل ہے، جس کی بنیاد محض نفسانی خواہشات اور غلو پر ہے۔ شرعی احکام، قرآن وحدیث اور اجماعِ امت سے فہمِ سلف کی روشنی میں ثابت ہوتے ہیں۔ ان مصادر میں سے کسی میں بھی اس کا ثبوت نہیں، لہٰذا یہ کام بدعت ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ خود اس محفل میں تشریف فرما ہوتے ہیں، بعض کہتے ہیں: ''تاہم یہ بات ممکنات میں سے ہے کہ حضور نبیِ اکرم ﷺ روحانی طور پر محفلِ میلاد میں تشریف لائیں۔''، بعض نے کہا ہے: ''ایسا ہونا گو بصورتِ معجزہ ممکن ہے۔'' وغیرہ

یہ سب ان لوگوں کے اپنے منہ کی باتیں ہیں۔ قرآن وسنت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

جاہل صوفیوں میں سے جن کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ بیداری کی حالت میں نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھتے ہیں یا نبیِ اکرم ﷺ محفلِ میلاد میں حاضر ہوتے ہیں یا اس سے کوئی ملتی جلتی بات کرتے ہیں، وہ قبیح ترین غلط بات کہتے ہیں، بدترین تلبیسی پردہ اس پر چڑھاتے ہیں، بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہیں اور کتاب وسنت اور اہلِ علم کے اجماع کی مخالفت کرتے ہیں، کیونکہ مُردے تو روزِ قیامت ہی اپنی قبروں سے نکالے جائیں گے، دنیا میں نہیں، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ☆ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ﴾ (المومنون: ۱۵۔۱۶) (پھر تم اس کے بعد ضرور مرنے والے ہو، پھر تم روزِ قیامت زندہ کیے جاؤ گے)۔ اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی ہے کہ مُردے روزِ قیامت ہی زندہ ہوں گے، دنیا میں نہیں۔ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ سفید جھوٹ بولتا ہے یا ملمع سازی سے غلط بات سناتا ہے۔ وہ اس حق کو نہیں پہچان پایا جسے سلف صالحین نے پہچانا تھا

اور جس پر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعینِ عظام رحمہم اللہ چلتے رہے ہیں۔

جہاں تک قیام کا تعلق ہے تو نبیِ اکرم ﷺ کے کسی صحابی، کسی تابعی یا کسی ثقہ مسلمان سے ایسا کرنا باسندِ صحیح مروی نہیں، لہٰذا یہ قبیح بدعت ہے۔

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی (۱۲۶۴۔۱۳۰۴ھ) لکھتے ہیں: **ومنها أی من القصص المختلقة الموضوعة ما یذکرونه من أنّ النبیّ صلّی اللّٰه علیه وسلّم یحضر بنفسه فی مجالس وعظ عند ذکر مولده ، بنو علیه القیام عند ذکر المولد تعظیما وإکراما ، وهذا أیضا من الأباطیل لم یثبت ذلک بدلیل ومجرّد الاحتمال والإمکان خارج عن حدّ البیان .** ''انہی من گھڑت باتوں میں یہ بات بھی ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ وعظ کی مجلسوں میں اس وقت خود حاضر ہوتے ہیں، جب ان کے میلاد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر انہوں نے آپ کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام گھڑ لیا ہے۔ یہ بھی ان جھوٹی باتوں میں سے ہیں جو کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ صرف احتمال اور امکان ہے، وہ بھی دلیل سے عاری ہے۔'' (الآثار المرفوعة فی الاخبار الموضوعة لعبد الحی : ص ٤٦)

علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی رحمہ اللہ (۹۴۲ھ) لکھتے ہیں:

جرت عادة کثیر من المحبّین إذا سمعوا بذکر وصفه صلّی اللّٰه علیه وسلّم أن یقوموا تعظیما له صلی الله علیه وسلم، وهذا القیام بدعة، لا أصل له.

''بہت سے دعویدارانِ حبِّ نبی میں یہ عادت رواج پا گئی ہے کہ وہ جب آپ ﷺ کی کسی صفت کا ذکر سنتے ہیں تو آپ ﷺ کی تعظیم میں کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ قیام ایسی بدعت ہے، جس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں۔'' (سبل الهدی والرشاد فی سیرة خیر العباد : ۴۱۵/۱)

مبتدعین کے ممدوح ابنِ حجر ہیتمی (۹۰۹۔۹۷۴ھ) کہتے ہیں:

ونظیر ذلک فعل کثیر عند ذکر مولده صلی الله علیه وسلم، ووضع أمه

له من القيام، وهو أيضا بدعة، لم يرد فيه شيء على أنّ الناس إنّما يفعلون ذلک تعظيما له صلی الله عليه وسلم، فالعوّام معذورون لذلک بخلاف الخواصّ .

''اسی طرح (بدعت) کا کام بہت سے لوگوں کا نبیِ اکرم ﷺ کے میلاد اور آپ ﷺ کی والدہ کے آپ کو جننے کے ذکر کے وقت کھڑا ہونا ہے۔ یہ بھی بدعت ہے۔ اس کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ملتی۔ لوگ اسے آپ ﷺ کی تعظیم کی نیت سے کرتے ہیں۔ عام لوگوں کا تو (لاعلمی کی وجہ سے) عذر قبول ہو جائے گا، برعکس خاص (جاننے والے) لوگوں کے (کہ وہ بدعتی ہی شمار ہوں گے)۔''(الفتاوی الحدیثیة لابن حجر الهیتمی : ص ٥٨)

اس کے باوجود بعض دیوبندی اکابر بھی اس قیام کو جائز قرار دیتے ہیں، جیسا کہ دیوبندیوں کے عقیدۂ وحدت الوجود کے پیشوا اور ''سید الطائفہ'' حاجی امداد اللہ مکی صاحب (م ١٣١٧ھ) کہتے ہیں: ''البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہیے۔ اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ عالمِ خلق مقید بزمان ومکان ہے، لیکن عالمِ امر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں۔''(امداد المشتاق از اشرف علی تهانوی : ٥٦)

نیز اشرف علی تھانوی صاحب خود لکھتے ہیں: ''جب مثنوی شریف ختم ہوگئی۔ بعد ختم حکم شربت بنانے کا دیا اور ارشاد ہوا کہ اس پر مولانا (روم) کی نیاز بھی کی جاوے گی۔ گیارہ گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھ کر نیاز کی گئی اور شربت بٹنا شروع ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ نیاز کے دو معنیٰ ہیں۔ ایک عجز و بندگی اور وہ سوائے خدا کے دوسرے کے واسطے نہیں ہے، بلکہ ناجائز شرک ہے۔ اور دوسرے خدا کی نذر اور ثواب خدا کے بندوں کو پہنچانا، یہ جائز ہے۔ لوگ انکار کرتے ہیں۔ اس میں کیا خرابی ہے؟ اگر کسی عمل میں عوارض غیر مشروع لاحق ہوں تو ان عوارض کو دور کرنا چاہیے، نہ یہ کہ اصل عمل سے انکار کر دیا جائے۔ ایسے امور سے انکار کرنا خیر کثیر سے باز رکھنا ہے، جیسے قیام مولد شریف اگر بوجہ آئے نام آنحضرت کے کوئی شخص تعظیماً قیام کرے تو اس میں کیا خرابی ہے؟

جب کوئی آتا ہے تو لوگ اس کی تعظیم کے واسطے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ اگر اس سردارِ عالم وعالمیان (روحی فداہ) کے اسمِ گرامی کی تعظیم کی گئی تو کیا گناہ ہوا؟''

(امداد المشتاق از تھانوی : ص ۸۸)

لو جی ! یہ ہیں دیوبندیوں کے ''سیدالطائفہ'' صاحب اور یہ ہیں ان کی خرافات وبدعات ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''سیدالطائفہ'' کا شمار بھی ''بدعات پسند حضرات'' میں ہوتا ہے ۔

کیا قیاس مع الفارق ہے کہ عالمِ ارواح کو عالمِ اجساد پر قیاس کیا، جبکہ دونوں کے احکام جُدا جُدا ہیں ۔ اس پر سہاگہ یہ کہ سلف صالحین میں کوئی بھی اس کا قائل نہیں ۔ قرآن وحدیث میں اس کا کہیں تذکرہ نہیں ۔ اہلِ علم نے اسے بدعت بھی قرار دیا ہے ۔

بنیادی فرق : خوب یادر ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کی تعظیم ہر مؤمن کے ایمان کا جزوِ لازم ہے، لیکن اس تعظیم کی حدود کون متعین کرے گا؟ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کا حق ہے ۔ امام اہلِ حدیث علامہ بشیر احمد سہسوانی رحمہ اللہ (۱۲۵۰۔۱۳۲۶ھ) فرماتے ہیں: **فنحن معاشر أهل الحديث نعظّم رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم بكلّ تعظيم جاء فى الكتاب والسنّة الثابتة سواء كان ذلك التعظيم فعليّا أو قوليّا أو اعتقاديّا، والوارد فى الكتاب العزيز والسنّة المطهّرة من ذلك الباب فى غاية الكثرة ..... وأهل البدع فمعظم تعظيمهم تعظيم محدث كشدّ الرحال إلى قبر الرسول والفرح بليلة ولادته، وقراءة المولد والقيام عند ذكر ولادته صلّى اللّٰه عليه وسلّم وتقبيل الإبهام عند قول المؤذّن : أشهد أن محمّدا رسول اللّٰه، والتمثّل بين يديه قياما وطلب الحاجات منه صلّى اللّٰه عليه وسلّم والنذر له وما ضاهاها، وأمّا التعظيمات الثابتة فهم عنها بمراحل .** ''ہم تمام اہلِ حدیث رسولِ اکرم ﷺ کی ہر وہ تعظیم بجالاتے

ہیں جو قرآنِ کریم اور سنتِ ثابتہ میں وارد ہے، خواہ وہ تعظیم فعلی ہو، قولی ہو یا اعتقادی۔ قرآنِ عزیز اور سنتِ مطہرہ میں اس طرح کی بہت زیادہ تعظیم موجود ہے۔۔۔ لیکن بدعتوں کے خوگر لوگوں کی طرف سے زیادہ سے زیادہ تعظیم یہ ہوتی ہے کہ وہ کوئی بدعت جاری کر لیتے ہیں، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک کی طرف شدّ رحال، ولادتِ رسول کی رات جشن، مولد کی قرائت، آپ ﷺ کی ولادت کے ذکر کے وقت قیام کرنا، اذان میں مؤذّن کے **أشهد أن محمّدا رسول اللّٰه** کہنے کے وقت انگوٹھے چومنا، آپ ﷺ کی قبر مبارک کے سامنے بُت بن کر کھڑے ہونا، آپ ﷺ سے حاجات طلب کرنا اور آپ ﷺ کے نام کی نیاز دینا وغیرہ۔ رہی قرآن و سنت میں ثابت شدہ تعظیمات تو وہ ان سے کوسوں دُور ہیں۔''

(صيانة الانسان عن وسوسة دحلان از سهسوانی : ص ٢٤٤)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔٧٢٨ھ) فرماتے ہیں: **وإنّما تعظيم الرسل بتصديقهم فيما أخبروا به عن اللّٰه وطاعتهم فيما أمروا به ومتابعتهم ومحبّتهم وموالاتهم .** ''رسولوں کی تعظیم تو بس ان کی دی ہوئی خبروں کی تصدیق کرنے، ان کے احکام میں ان کی اطاعت کرنے، ان کی پیروی کرنے اور ان سے محبت ومودّت کرنے میں ہے۔''(كتاب الرد على الاخنائى لابن تيمية : ص ٢٤۔٢٥)

اس کے برعکس بعض لوگوں کی آزادی بھی ملاحظہ فرمائیں۔ جناب احمد یار خان نعیمی بریلوی گجراتی صاحب (١٣٢٤۔١٣٩١ھ) لکھتے ہیں: ''تعظیم میں کوئی پابندی نہیں، بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو، اس طرح کرو، بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو، جیسے کہ تعظیمی سجدہ ورکوع۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے تھے۔ لہٰذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیے۔ دیکھو **كلوا واشربوا** میں مطلقا کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیو تو بریانی، زردہ، قورما سب ہی حلال ہوا خواہ خیر القرون میں

ہو یا نہ ہو۔‘‘(«جاء الحق» از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۵٤)

اگر نبیِ اکرم ﷺ کے ذکر کے وقت کھڑا ہونا آپ ﷺ کی تعظیم ہے تو صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور تبع تابعین، ائمہ دین اور سلف صالحین اس سے محروم کیوں تھے؟ کہاں ہمارے نبیِ اکرم ﷺ کی تعظیم جو کہ دین وایمان ہے اور کھانے پینے کے دنیاوی مسائل۔قرآن وسنت کی روشنی میں مسلّم اصول ہے کہ دینی معاملات میں کرنے کی دلیل ضروری ہے، جبکہ دنیاوی معاملات میں منع کی دلیل۔لیکن ان لوگوں کے ہاں تو اصل مسئلہ شکم پروری کا ہے، اس لیے ان کے ہر مسئلہ کی انتہا کھانے پینے پر ہوتی ہے۔

ایک وضاحت : ابومجلز لاحق بن حمید تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

خرج معاوية على ابن الزبير وابن عامر، فقام ابن عامر وجلس ابن الزبير، فقال معاوية لابن عامر : اجلس، فإنّي سمعت رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم يقول : ((من أحبّ أن يتمثّل له الرجال قياما فليتبوّأ مقعده من النار))

’’سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عامر کے پاس آئے تو ابنِ عامر کھڑے ہو گئے، جبکہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عامر سے کہا: بیٹھ جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہے کہ آدمی اس کے لیے بُت بن کر کھڑے ہوں، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم سمجھے۔‘‘

(مصنف ابن ابی شیبة : ۵۸٦/۸، مسند الامام احمد : ۹۱/٤، ۹۳، ۱۰۰، مسند عبد بن حمید : ٤١٣، الادب المفرد للبخاری : ۹۷۷، سنن ابی داؤد : ۵۲۲۹، سنن الترمذی : ۲۷۵۵، وقال : حسن ، تهذیب الآثار للطبری : ۵٦۸/۲، ۵٦۹، وسندهٗ صحیحٌ)

تہذیب الآثار طبری (۲/ ۵٦۷، ۵٦۸، وسندہ حسن) میں یہ الفاظ ہیں:

خرج معاوية ذات يوم، فوثبوا في وجهه قياما، فقال : اجلسوا، اجلسوا،

فإنّي سمعت رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم یقول : ((من سرّہ أن یستخم بنو آدم قیاما دخل النار)) ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ایک دن باہر تشریف لائے تو لوگ ان کے سامنے جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے فرمایا: بیٹھ جاؤ، بیٹھ جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص یہ پسند کرے کہ لوگ اس کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں، وہ آگ میں داخل ہوگا۔''

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ ۔ ۷۲۸ھ) ان الفاظ کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فإنّ ذلک أن یقوموا لہ وھو قاعد، لیس ھو أن یقوموا لمجیئہ إذا جاء، ولھذا فرّقوا بین أن یقال : قمت إلیہ، وقمت لہ، والقائم للقادم ساواہ فی القیام بخلاف القائم للقاعد . ''اس وعید سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی بیٹھے ہوئے کے لیے کھڑے ہوں۔ کسی آنے والے کے لیے کھڑے ہونا اس سے مراد نہیں۔ اسی لیے علمائے کرام نے کسی کی طرف کھڑے ہونے اور کسی کے لیے کھڑے ہونے میں فرق کیا ہے۔ کسی باہر سے آنے والے کی طرف کھڑا ہونے والا کھڑے ہونے میں اس کے برابر ہوتا ہے، برعکس اس شخص کے جو بیٹھنے والے کے کھڑا ہو۔'' (مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ : ۳۷۵/۱)

محدث البانی رحمہ اللہ (م ۱۴۲۰ھ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: دلّنا ھذا الحدیث علی أمرین، الاوّل : تحریم حبّ الداخل علی الناس القیام منھم لہ، وھو صریح الدلالۃ بحیث أنّہ لا یحتاج إلی بیان، والآخر کراھۃ القیام من الجالسین للداخل، و لو کان لا یحبّ القیام، وذلک من باب التعاون علی الخیر، و عدم فتح باب الشرّ، وھذا معنی دقیق دلّنا علیہ راوی الحدیث معاویۃ رضی اللّٰہ عنہ، و ذلک بإنکارہ علی عبد اللّٰہ بن عامر قیامہ لہ، و احتجّ علیہ بالحدیث، وذلک من فقھہ فی الدین، وعلمہ بقواعد الشریعۃ الّتی منھا سدّ

الذرائع . ''اس حدیث سے ہمیں دو باتوں کا علم ہوتا ہے: پہلی یہ کہ داخل ہونے والے کا اپنے لیے لوگوں کے کھڑے ہونے کو پسند کرنا حرام ہے۔ یہ بات تو بالکل صریح ہے کہ اس کی شرح کی ضرورت ہی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیٹھنے والوں کا باہر سے آنے والے کے لیے کھڑا ہونا ناپسندیدہ عمل ہے، اگرچہ داخل ہونے والا بھی اس عمل کو پسند نہ کرتا ہو۔ اس پیچیدہ معنیٰ کی خبر ہمیں راویٔ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے دی ہے، جیسا کہ انہوں نے عبداللہ بن عامر کو اپنے لیے کھڑے ہونے سے منع کیا اور انہیں حدیث سے دلیل دی۔ یہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی دینی فقاہت ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ وہ قواعدِ شریعت سے واقف تھے۔ سدِّ ذرائع بھی انہی قواعد میں سے ایک ہے۔''(السلسلة الصحيحة للالبانی : ٦٢٩/١)

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **ما كان أحد من الناس أحبّ إليهم شخصا من رسول الله صلى الله عليه وسلم، كانوا إذا رأوه لا يقوم له أحد منهم، لما يعلمون من كراهيته لذلك .** ''صحابہ کرام کے ہاں کوئی بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبوب نہ تھا۔ ان میں سے کوئی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑا نہ ہوتا، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ناپسند کرتے ہیں۔''

(مسند الامام احمد : ١٣٤/٣، وسندهٗ صحيحٌ ، سنن الترمذی : ٢٧٥٤، وقال : حسن صحيحٌ)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔٧٢٨ھ) فرماتے ہیں: **لم تكن عادة السلف على عهد النبيّ صلّى الله عليه وسلّم وخلفائه الراشدين أن يعتادوا القيام كلّما يرونه صلّى الله عليه وسلّم كما يفعله كثير من الناس .**

''نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفائے راشدین کے عہد میں سلف صالحین کی یہ عادت نہ تھی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (یا کسی اور بزرگ شخصیت) کو جب دیکھیں کھڑے ہو جائیں، جیسا کہ بہت سے لوگ (اب) کرتے ہیں۔''(مجموع الفتاوی لابن تيمية : ٣٧٤/١)

کسی صحابی سے نبیِ اکرم ﷺ کی تعظیم میں یا آپ کے ذِکر کی تعظیم میں کھڑے ہونا قطعاً ثابت نہیں ہے۔

فائدہ نمبر ①: سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

كانت إذا دخلت عليه قام إليها، فأخذ بيدها فقبّلها وأجلسها في مجلسه وكان إذا دخل عليها قامت إليه فأخذت بيده فقبّلته وأجلسته في مجلسها .

''وہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس آتیں تو آپ ﷺ ان کی طرف کھڑے ہوتے، ان کے ہاتھ کو پکڑتے، اسے بوسہ دیتے اوران کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اسی طرح جب نبیِ اکرم ﷺ ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو آپ رضی اللہ عنہا آپ کی طرف کھڑی ہوتیں، آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑتیں، آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتیں اورآپ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں۔''

(سنن ابی داوٗد: ۵۲۱۷، سنن الترمذی: ۳۸۷۲، وسندہٗ صحیحٌ)

اس روایت کوامام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۶۹۵۲) اورامام حاکم رحمہ اللہ (۲۶۴/۴) نے ''صحیح'' کہا ہے۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

یہ قیام جائز ہے۔اگرچہ یہ روایت پہلی روایات کے بظاہر مخالف ومعارض ہے، لیکن ان کے درمیان جمع وتطبیق ہوسکتی ہے، جیسا کہ شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابنِ قیم رحمہ اللہ (۶۹۱۔۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: **فالمذموم : القيام للرجل، وأمّا القيام إليه، للتلقّي إذا قدم، فلا بأس به، وبهذا تجتمع الأحاديث .**

''کسی آدمی کے لیے (تعظیماً) کھڑا ہونا مذموم عمل ہے، البتہ جب کوئی آئے تو اس کی طرف اس کے استقبال کے لیے کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں۔اس سے تمام احادیث میں تطبیق ہوجاتی ہے۔'' (شرح ابن القیم لسنن ابی داوٗد مع عون المعبود: ۱۲۷/۱۴)

فائدہ نمبر ②: عمرو بن السائب بیان کرتے ہیں کہ انہیں

یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی باپ آ گئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر کا بعض حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ آئیں تو آپ ﷺ نے چادر کی دوسری جانب ان کے لیے بچھا دی۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی آ گئے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔''(سنن ابی داوٗد : ۵۱۴۵)

تبصرہ : اس کی سند ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

فائدہ نمبر ③ : سیدہ ام فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

أتی النبیّ صلی الله علیه وسلم، فلمّا رآه (أی العبّاس) قام إلیه وقبّل ما بین عینیه ثم أقعده عن یمینه . ''نبیِ اکرم ﷺ آئے۔ جب سیدنا عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ کی طرف کھڑے ہوئے اور آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، پھر آپ کو اپنی دائیں جانب بٹھالیا۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۳۵/۱، المعجم الاوسط للطبرانی : ۹۲۴۶، تاریخ بغداد : ۶۳/۱)

تبصرہ : یہ جھوٹی روایت ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے باطل قرار دیا ہے۔(میزان الاعتدال : ۹۷/۱)

اس کے راوی احمد بن رشدین الہلالی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فھو الذی اختلقه بجھل . ''اسی نے اپنی جہالت کی بنا پر اس روایت کو گھڑا ہے۔''(میزان الاعتدل : ۹۷/۱)

صرف اور صرف امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسے الثقات (۴۰/۸) میں ذکر کیا ہے۔ یہ ان کا تساہل ہے۔

شبہ ضعیفہ اور اس کا ازالہ :

اہل بدعت کہتے ہیں کہ صحابہ کرام، نبی اکرم ﷺ کی تعظیم میں کھڑے ہوجاتے تھے۔اس پر وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا:

كان رسول الله صلّى الله عليه وسلّم يجلس معنا في مسجد يحدثنا ، فإذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعض بيوت أزواجه . ''رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ مسجد میں بیٹھے باتیں کرتے تھے۔جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے اوراس وقت تک کھڑے رہتے جب تک آپ ﷺ کو اپنی کسی زوجہ مطہرہ کے گھر میں داخل ہوتا نہ دیکھ لیتے۔''(سنن ابی داؤد : ٤٧٧٥، السنن الکبریٰ للنسائی : ٤٧٨٠، سنن ابن ماجه مختصرا : ٢٠٩٣، شعب الايمان للبيهقي : ٨٩٣٠)

تبصرہ : ① اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس کے راوی ہلال بن ابی ہلال المدنی کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا أعرفه .** ''میں اس کو نہیں پہچانتا۔''(العلل : ١٤٧٦)

امام ابنِ شاہین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لا أعرفه .** ''میں اس کو نہیں جانتا۔''(الثقات لابن شاهين : ١٢٤٥)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: **لا يعرف .** ''یہ غیر معروف ہے۔''

(ميزان الاعتدال : ٣١٧/٤)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے ''مقبول''(مستور الحال) کہا ہے۔(تقريب التهذيب : ٧٣٥١)

صرف امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسے ''الثقات''(٥٠٣/٥) میں ذکر کیا ہے، لہٰذا یہ ''مجہول الحال'' راوی ہے۔

② حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ (٧٧٣۔٨٥٢ھ) فرماتے ہیں:

والّذی یظهر لی فی الجواب أن یقال : لعلّ سبب تأخیرهم حتّی یدخل لما یحتمل عندهم من أمر یحدث له حتّی لا یحتاج إذا تفرّقوا أن یتکلّف استدعائهم، ثمّ راجعت سنن أبی داود فوجدت فی آخر الحدیث ما یؤید ما قلته، وهو قصّة الأعرابی الّذی جبذ رداءه صلی الله علیه وسلم، فدعا رجلا فأمره أن یحمل له علی بعیره تمرا وشعیرا، وفی آخره : ثمّ التفت إلینا، فقال : انصرفوا رحمکم اللّٰہ تعالی .

''جو بات میرے ذہن میں آتی ہے، وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں داخل ہونے تک صحابہ کرام کے کھڑے رہنے کا سبب شاید یہ ہو کہ ان کے ذہن میں یہ احتمال ہوتا تھا کہ ان کے چلے جانے کے بعد کسی ضرورت کے لیے رسول اللہ ﷺ کو انہیں بلانے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ پھر میں نے سنن ابوداوٗد کی طرف رجوع کیا تو اس حدیث کے آخر میں مجھے وہ الفاظ مل گئے جو میری اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ وہ اعرابی کا واقعہ ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کی چادر مبارک کو کھینچا۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو بلایا اور حکم فرمایا کہ وہ اس اعرابی کے اونٹ پر کھجور اور جَو لاد دے اور اس حدیث کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ پھر آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اللہ تم پر رحم کرے، اب تم جا سکتے ہو۔''(فتح الباری : ۱۱/۵۲۔۵۳)

③ ملا علی قاری حنفی ماتریدی (م۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں: ولعلّهم کانوا ینتظرون رجاء أن یظهر له حاجة إلی أحد منهم أو یعرض له رجوع إلی الجلوس معهم ، فإذا أیسوا تفرّقوا ولم یقعدوا لعدم حلاوة الجلوس بعده علیه السلام .

''شاید کہ وہ اس امید سے انتظار کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ کو ان میں سے کسی سے کوئی کام پڑ جائے یا آپ ﷺ کا ان کی طرف دوبارہ آنے کا ارادہ بن جائے۔ جب وہ اس بات سے ناامید ہو جاتے تو چلے جاتے۔ دوبارہ نہ بیٹھتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کے بعد

انہیں بیٹھنے کا مزہ نہیں آتا تھا۔'' (مرقاۃ المفاتیح للقاری : ۴۸۸/۱۳)

لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ، نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں کھڑے ہوتے تھے، صحیح نہ ہوا۔ نیز اس کو دلیل بنا کر ان کا ذکرِ ولادت کی تعظیم میں کھڑا ہونا غلط دَر غلط ہے۔

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **لمّا قدم جعفر من هجرة الحبشة تلقّاه النبيّ صلّى الله عليه وسلّم فعانقه ، وقبّل ما بين عينيه ، وقال : ما أدري أيّهما أنا أسرّ ؟ بفتح خيبر أو بقدوم جعفر ؟**

''جب سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ ہجرتِ حبشہ سے واپس آئے تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا استقبال کیا، ان کی آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا اور فرمایا: مجھے معلوم نہیں کہ دو چیزوں میں زیادہ خوشی مجھے کس بات کی ہے، فتحِ خیبر کی یا جعفر کی آمد کی؟'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۰۸/۲، المعجم الاوسط للطبرانی : ۲۰۰۳، المعجم الصغیر للطبرانی : ۳۰)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں احمد بن خالد الحرانی راوی ہے، جس کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعيف ، ليس بشيء ، ما رأيت أحدا أثنى عليه .** ''یہ ضعیف راوی ہے۔ کچھ نہیں۔ میں نے کسی کو اس کی تعریف کرتے نہیں دیکھا۔'' (سوالات حمزہ السہمی للدارقطنی : ص ۱۴۸)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **واه .** ''یہ کمزور راوی ہے۔''

(المغنی للذہبی : ۶۵/۱)

اس کے متابع راوی انس بن سلم کے بارے میں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولم أعرفه . ''میں اسے پہچان نہیں سکا۔'' (مجمع الزوائد : ۲۷۱/۹)

اس کی متابعت ایک اور راوی عثمان بن محمد بن عثمان نے بھی کی ہے۔

(تاریخ بغداد للخطیب البغدادی : ۲۹۲/۱۱)

اس کے بارے میں بھی تعدیل وتوثیق کا کوئی قول ثابت نہیں ۔ لہٰذا یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔

عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے: **فلمّا بلغ باب رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم استبشر ووثب له رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قائما علی رجلیه فرحا بقدومه .** ''جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے اور ان کے آنے کی خوشی میں ان کے لیے جلدی سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے۔''(المغازی للواقدی : ۸۵۰/۲۔۸۵۳، المستدرک للبیھقی : ۲٦۹/۳، المدخل الی السنن الکبریٰ للبیھقی : ۷۱۰)

تبصرہ : یہ جھوٹ کا پلندہ ہے۔اس کا راوی محمد بن عمر الواقدی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''متروک'' راوی ہے ۔اور اس کا استاذ ابوبکر بن عبداللہ بن ابی سبرہ ''وضّاع'' (جھوٹی حدیثیں گھڑنے والا) اور کذاب (جھوٹا) راوی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یضع الحدیث .** ''یہ حدیثیں گھڑتا تھا۔''(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۳۰٦/۷)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ مدینہ آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری قیام گاہ میں تشریف فرما تھے۔انہوں نے دروازہ کھٹکھٹایا: **فقام إلیه رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم عریانا یجرّ ثوبه ، واللّٰه ! ما رأیته عریانا قبله ولا بعده ، فأعتنقه وقبّله .** ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف مکمل لباس کے بغیر اپنے کپڑے کو سنبھالتے ہوئے کھڑے ہوئے۔اللہ کی قسم ! میں نے اس سے پہلے اور بعد کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکمل لباس کے بغیر کسی سے ملتے نہیں دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معانقہ کیا اور ان کو بوسہ دیا۔''

(سنن الترمذی : ۲۷۳۲، وقال : حسن ، شرح معانی الآثار للطحاوی : ۹۲/٤)

تبصرہ : یہ روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی ابراہیم بن یحییٰ بن محمد الشجری ''لین الحدیث'' ہے۔

(تقریب التہذیب لابن حجر : ٢٦٨)

② یحییٰ بن محمد بن عباد المدنی الشجری راوی بھی ''ضعیف'' ہے ۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وكان ضريرا يتلقّن .** ''یہ نابینا تھا اور لوگوں کی باتوں میں آجاتا تھا۔'' (تقریب التہذیب : ٧٦٣٧) ③ محمد بن اسحاق المدنی ''مدلس'' ہیں۔

④ امام زہری رحمہ اللہ بھی مدلس ہیں۔ دونوں نے سماع کی تصریح نہیں کی ، لہٰذا روایت ''ضعیف'' ہے۔

تاریخ ابنِ عساکر (٣٦٠/١٩) کی سند میں محمد بن عمر الواقدی راوی ''متروک'' ہے۔

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک مسئلہ بتایا: **فقمت إليه ، فقلت له : بأبي أنت وأمّي ! أنت أحقّ بها .**

''میں آپ رضی اللہ عنہ کی طرف کھڑا ہوا اور ان سے عرض کی : میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔''

(مسند الامام احمد : ٦/١، مسند البزار : ٤، مسند ابی یعلی : ٢٤)

تبصرہ : اس کی سند ''رجل مبہم'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

قارئین کرام! سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو جب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا بھیجا تو وہ دراز گوش پر سوار ہو کر آئے۔ جب وہ مسجد کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا:

قوموا إلى سيّدكم . ''اپنے سردار کی طرف اُٹھو۔''

(صحیح البخاری : ٩٢٦/٢، ح : ٦٢٦٢، صحیح مسلم : ٩٥/٢، ح : ١٧٦٨)

اس کا یہ مطلب نہیں کہ سعد جو اپنے قبیلے کے سردار ہیں، ان کے اکرام اور تعظیم میں کھڑے

ہوجاؤ، بلکہ کھڑے ہوکران کوسواری سے اتارو، کیونکہ اس وقت وہ زخمی تھے۔اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: **قوموا إلى سيّدكم فأنزلوه ، فقال عمر : سيّدنا الله عزّ وجلّ ، قال : أنزلوه ، فأنزلوه .**

''اپنے سردار کی طرف اُٹھواوران کوسواری سے نیچے اُتارو۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ہمارا سردار اللہ تعالیٰ ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: سیدنا سعد کو نیچے اُتارو تو صحابہ کرام نے ان کو نیچے اُتار دیا۔''(مسند الامام احمد : ٦/١٤١۔١٤٢، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (٧٠٢٨) نے ''صحیح'' کہا ہے۔حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو''حسن'' قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: **وهذه الزيادة تخدش فى الاستدلال بقصّة سعد على مشروعيّة القيام المتنازع فيه .**

''یہ زائد الفاظ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے واقعے سے متنازع فیہ (تعظیمی) قیام پر استدلال کو باطل قرار دیتے ہیں۔''(فتح الباری : ١١/٥١)

ابن الحاج رحمہ اللہ (م٧٣٧ھ) اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: **لو كان القيام المأمور به لسعد هو المتنازع فيه لما خصّ به الأنصار فإن الأصل فى أفعال القرب التعميم ، ولو كان القيام لسعد على سبيل البرّ والإكرام لكان هو صلّى الله عليه وسلّم أوّل من فعله وأمر به من حضر من أكابر الصحابة ، فلمّا لم يأمر به ولا فعله ولا فعلوه دلّ ذلک على أنّ الأمر بالقيام لغير ما وقع فيه النزاع ، وإنّما هو لينزلوه عن دابّته لما كان فيه من المرض ، كما جاء فى بعض الروايات ، ولأنّ عادة العرب أنّ القبيلة تخدم كبيرها ، فلذلک خصّ الأنصار بذلک دون المهاجرين ، مع أنّ المراد بعض الأنصار لا كلّهم وهم الأوس منهم ، لأنّ سعد بن معاذ كان سيّدهم دون الخزرج ، وعلى تقدير تسليم أنّ**

القیام المأمور به حینئذ لم یکن للإعانة ، فلیس هو المتنازع فیه ، بل لأنّه غائب قدم ، والقیام للغائب إذا قدم مشروع . ''اگر سعد رضی اللہ عنہ کے لیے قیام کے حکم سے مراد قیام متنازع فیہ (تعظیمی) ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم میں انصار کو خاص نہ کرتے ، کیونکہ نیکی کے کاموں میں اصل عموم ہوتا ہے (یعنی وہ سب کے لیے مشترک ہوتے ہیں)۔ اگر سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے لیے کھڑا ہونا عزت کے لیے اور نیکی کے لیے ہوتا تو نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود ایسا کرتے اور وہاں موجود اکابر صحابہ کو اس کا حکم دیتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اکابر صحابہ کو حکم نہیں دیا، نہ ہی خود ایسا کیا ہے، نہ ہی صحابہ کرام نے قیام کیا تو معلوم ہوا کہ قیام کا یہ حکم اس مقصد کے لیے نہیں تھا جس میں نزاع ہے (تعظیمی نہیں تھا)۔ یہ حکم تو صرف سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو سواری سے اُتارنے کے لیے تھا، کیونکہ وہ اس وقت بیمار تھے، جیسا کہ بعض روایات میں یہ بات مذکور ہے۔ نیز عربوں کی یہ عادت بھی تھی کہ پورا قبیلہ اپنے بڑے کی خدمت کرتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم صرف انصار کو دیا تھا، مہاجرین کو نہیں۔ پھر اس سے مراد سارے انصار بھی نہیں، بلکہ بعض انصار، یعنی قبیلہ اوس کے لوگ تھے، کیونکہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ اوس کے ہی سردار تھے، خزرج کے نہیں۔ اگر یہ تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اس وقت قیام کا حکم سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو سواری سے اُتارنے میں مدد کرنے کے لیے نہیں تھا تو بھی یہ قیام متنازع فیہ (تعظیمی) نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ قیام ایک غائب کے آنے کی وجہ سے تھا اور کسی آنے والے کے کھڑا ہونا جائز ہے۔'' (فتح الباری : ۵۱/۱۱)

اگر کوئی اس قیام کو اکرام پر محمول کرے تو یہ قیام بھی ہمارے نزدیک مشروع ہے۔

امام حماد بن زید رحمہ اللہ کہتے ہیں: کنّا عند أیّوب ، فجاء یونس ، فقال حمّاد : قوموا لسیّدکم ، أو قال : لسیّدنا . ''ہم امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ کے پاس تھے۔ امام یونس رحمہ اللہ آئے تو امام حماد رحمہ اللہ نے فرمایا: اپنے سردار یا ہمارے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔'' (الجامع لاخلاق الراوی للخطیب : ۳۰۲، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **فقام إلیّ طلة بن عبید اللّٰہ یهرول حتّی صافحنی وهنّأنی ، واللّٰہ ! ما قام إلیّ رجل من المهاجرین غیره .**

''میری طرف طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے کھڑے ہوئے یہاں تک کہ انہوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مجھے خوشخبری دی۔ اللہ کی قسم! میری طرف ان کے علاوہ مہاجرین میں سے کوئی آدمی کھڑا نہیں ہوا۔''

(صحیح البخاری : ٦٣٦/٢، ح : ٤٤١٨، صحیح مسلم : ٣٦٢/٢، ح : ٢٧٦٩)

یہ استقبال کی غرض سے قیام تھا جو کہ جائز ومباح ہے۔

فائدہ : سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہمارے پاس سے کافر کا جنازہ گزرے تو کیا ہم اس کے لیے قیام کریں؟ اس پر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **نعم ، قوموا لها ، فإنّکم لستم تقومون لها ، إنّما تقومون إعظاما للذی یقبض النفوس .**

''ہاں! تم اس کو دیکھ کر کھڑے ہوا کرو، کیونکہ تم اس کے لیے کھڑے نہیں ہوتے، بلکہ اس ذات کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوتے ہو جو روحوں کو قبض کرتی ہے۔''

(مسند الامام احمد : ١٦٨/٢، مسند عبد بن حمید : ١٣٤٠، المعجم الکبیر للطبرانی : ١٧/١٣، ح : ٤٧، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (۳۰۳۵)، امام حاکم رحمہ اللہ (۱/۳۵۷) نے ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رجال أحمد ثقات . ''(اس روایت میں) مسند احمد کے راوی ثقہ ہیں۔''

(مجمع الزوائد : ٢٧/٣)

اس کا راوی ربیعہ بن سیف المعافری جمہور کے نزدیک ''موثق، حسن الحدیث'' ہے۔

طبرانی کے الفاظ یہ ہیں: **إنّما تقومون لمن معها من الملائکة .**

''تم تو ان فرشتوں کی وجہ سے کھڑے ہوتے ہو جو اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔''

یاد رہے کہ جنازہ کو دیکھ کر کھڑا ہونا جائز اور مستحب ہے۔ اس کا وجوب منسوخ ہو چکا ہے، جبکہ استحباب باقی ہے۔

قارئین کرام! اب ہم اس مسئلہ کی طرف آتے ہیں۔ یہ تو آپ نے جان لیا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کے ذکرِ ولادت پر کھڑا ہونا کسی وضعی اور من گھڑت روایت سے بھی ثابت نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہیے کہ قرآن وحدیث میں اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا یہ بدعت ہے۔

مفتی احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب (۱۳۲۴۔۱۳۹۱ھ) لکھتے ہیں:

''ان (نبیِ کریم ﷺ) کے ذکر پر کھڑا ہونا سنتِ سلف صالحین ہے۔''

(«جاء الحق» از نعیمی: جلد ۱ ص ۲۵۲)

یہ کائنات کا سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ کسی صحابی، تابعی یا کسی تبع تابعی، حتی کہ امام ابوحنیفہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ سے بھی قطعاً اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

''مفتی'' صاحب مزید لکھتے ہیں: ''ولادتِ پاک کے وقت ملائکہ درِ دولت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لیے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعلِ ملائکہ سے مشابہ ہے۔''

(«جاء الحق» از نعیمی: جلد ۱ ص ۲۵۳)

یہ بے اصل اور بے ثبوت بات ہے۔ نہ جانے ''مفتی'' صاحب پر یہ وحی کس نے کی؟ درحقیقت یہ اللہ کے فرشتوں پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ ان لوگوں کی بے باکی اور بے بسی پر حیرانی ہوتی ہے۔

مزید لکھتے ہیں: ''حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا تو اس قیام کی اصل مل گئی۔'' («جاء الحق» از نعیمی: جلد ۱ ص ۲۵۳)

یہ روایت مسند الامام احمد (۱/۲۱۰) اور سنن الترمذی (۳۶۰۸، وقال: حسن صحیح) میں موجود ہے۔ اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں یزید بن ابی زیاد راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضعیف ، کبر ، فتغیّر ، صار یتلقّن ، و کان شیعیّا . ''یہ ضعیف راوی تھا۔ بوڑھا ہو کر اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اور یہ لوگوں کی باتوں میں آنے لگا تھا۔ یہ شیعہ تھا۔''

(تقریب التھذیب : ۷۷۱۷)

اس کے بارے میں حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وقد ضعّفه جمهور الأئمّة .**

''اسے جمہور ائمہ کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ۵/۵۶۔۵۷)

حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **والجمهور علی تضعیف حدیثه .**

''جمہور اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔'' (ھدی الساری لابن حجر : ص ٤٥٩)

بوصیری کہتے ہیں: **أخرجه مسلم فی المتابعات ، ضعّفه الجمهور .**

''امام مسلم رحمہ اللہ نے اس کی حدیث متابعات میں بیان کی ہے۔ جمہور اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔'' (زوائد ابن ماجه : ۷۰۵)

اس میں سفیان ثوری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' بھی ہے۔ جب یہ روایت ''ضعیف'' ہے تو ''مفتی'' صاحب کا اس پر بنایا ہوا مذہب بھی ''ضعیف'' اور اس سے کیا ہوا استدلال بھی باطل ہوا۔

''مفتی'' صاحب لکھتے ہیں: ''شریعت نے اس کو منع نہ کیا اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں، وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔'' («جاء الحق» از نعیمی : جلد ۱ ص ۲۵۳)

دلائل نہ ہوں تو آخری سہارا یہی ہے کہ منع نہیں، حالانکہ شرعی احکام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا اذن اور ان کی اجازت ضروری ہوتی ہے۔

ہر ملک کے بدعتی لوگ اسے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں، لیکن کیا صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ عظام کا عمل اس پر موجود ہے؟ کیا وہ بھی اسے اچھا سمجھتے تھے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو یہ عمل اللہ کے ہاں بھی اچھا ہوگا، لیکن اگر جواب نفی میں ہے تو اس کے بدعتِ سیئہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اللہ ربّ العزت اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں: ﴿ أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوْءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا ﴾ (فاطر: ۸) (کیا جس شخص کے لیے اس کا بُرا عمل مزین کر دیا جاتا ہے اور وہ اسے اچھا سمجھنے لگتا ہے)

ضلاّل وجہّال کی یہ عادت بھی ہوتی ہے کہ وہ عمومی دلائل سے اپنی بدعات کو سہارا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور عام مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ حالانکہ اولاً تو بدعات عمومی دلائل کے تحت آتی ہی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس طریقہ سے سلف صالحین کے بارے میں یہ بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ وہ تو ان دلائل سے وہ کچھ نہ سمجھ پائے جو مبتدعین نے سمجھ لیا ہے!

نئی دریافت: ایک بدعتی صاحب کہتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ پر درود وسلام کھڑے ہو کر پڑھنا انبیائے کرام کی سنت ہے، جیسا کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے اپنا سفرِ معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا:

مررت علی موسیٰ، وهو يصلّي في قبره. ''میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔'' (صحیح مسلم: ۲۶۸/۲، ح: ۲۳۷۵)

اسی طرح نبیِ اکرم ﷺ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی فرمایا:

وإذا إبراهيم قائم يصلّي. ''ابراہیم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔'' (صحیح مسلم: ۹۶/۱، ح: ۱۷۲)

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: **وإذا عيسیٰ ابن مريم قائم يصلّي.**

''عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔'' (صحیح مسلم: ۹۶/۱، ۱۷۲)

ان بدعتی صاحب کا کہنا ہے کہ لفظِ صلوٰۃ کا معنیٰ یہاں نماز نہیں، بلکہ درود وسلام پڑھنا ہے، کیونکہ صلوٰۃ کا لفظ صرف نماز کے لیے ہی استعمال نہیں ہوتا، بلکہ رحمت بھیجنا، تعریف کرنا اور درود وسلام پڑھنے جیسے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

تبصرہ: بے شک لفظِ صلوٰۃ کے کئی معانی ہیں، لیکن مذکورہ بالا احادیث میں درود وسلام کا معنیٰ کرنا نِری جہالت، عربیت سے عدمِ واقفیت کا ثبوت، حدیث کی معنوی تحریف اور سلف صالحین کی مخالفت ہے۔

یہاں صلوٰۃ کا لفظ درود وسلام کے معنیٰ میں ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ سلف صالحین میں سے کسی نے بھی یہ معنیٰ ومفہوم بیان نہیں کیا۔ وہ بھلا کیسے بیان کرتے۔ وہ تو اہلِ علم وتقویٰ تھے۔ صلوٰۃ کا لفظ اسی وقت درود وسلام کے معنیٰ میں ہوگا جب اس کے بعد ''علیٰ'' صلہ آئے۔ احادیث میں انبیائے کرام کے بارے میں **قائم یصلّی فی قبرہٖ** کے لفظ ہیں **قائم یصلّی علیہ فی قبرہ** کے الفاظ نہیں ہیں۔

لہٰذا مبتدعین کی جہالت اور دھوکہ دہی پر مہر ثبت ہوگئی ہے۔

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمہ اللہ اس حدیث کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

أی یدعو ویثنی علیہ ویذکرہ، فالمراد الصلاۃ اللغویّۃ، وھی الدعاء والثناء، وقیل: المراد الشرعیّۃ، وعلیہ القرطبیّ.

''یعنی وہ دعا کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کا ذکر کر رہے تھے۔ لہٰذا یہاں مراد لغوی صلاۃ ہے، جو دعا اور حمد وثنا کے معنیٰ میں ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں شرعی نماز مراد ہے۔ علامہ قرطبی رحمہ اللہ اسی موقف کے حامل ہیں۔'' (فیض القدیر للمناوی: ۵/۵۱۹-۵۲۰)

قبر میں دعا اور نماز انبیائے کرام کے علاوہ لوگوں سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أمر بعبد من عباد اللّٰه أن يضرب في قبره مائة جلدة ، فلم يزل يسأل ويدعو حتّى صارت جلدة واحدة ، فجلد جلدة واحدة ، فامتلأ قبره عليه نارا ، فلمّا ارتفع عنه قال علام جلدتموني ؟ قالوا : إنّک صلّیت صلاة بغير طهور ، ومررت على مظلوم فلم تنصره . ''اللہ کے ایک بندے کو قبر میں سو کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا۔ وہ مسلسل اللہ سے دعا کرتا رہا اور معافی مانگتا رہا حتی کہ سزا میں ایک کوڑا باقی رہ گیا۔ اسے ایک ہی کوڑا مارا گیا تو اس کی قبر آگ سے بھر گئی۔ جب اس سے عذاب دُور ہوا تو اس نے فرشتوں سے پوچھا: تم نے مجھے کس جرم پر کوڑا مارا ہے؟ فرشتوں نے کہا: تم نے ایک نماز بغیر وضو کے پڑھی تھی اور تم ایک مظلوم کے پاس سے گزرے تھے اور اس کی مدد نہیں کی تھی۔''

(مشکل الآثار للطحاوی : ٢٣١/٤، وسندہٗ حسنٌ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مؤمن کو قبر میں کہا جائے گا: بیٹھ جا، وہ بیٹھ جائے گا۔ اسے سورج غروب ہوتا دکھایا جائے گا۔ اسے کہا جائے گا: تم اس آدمی کے بارے میں خبر دو جو تم میں (مبعوث ہوئے) تھے۔ اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تم اس کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو؟ وہ کہے گا: دعوني حتّى أصلّي ، فيقولون : إنّک ستفعل ، فأخبرني عمّا نسألک عنه .

''مجھے چھوڑو کہ میں (عصر کی) نماز پڑھ لوں۔ فرشتے کہیں گے: تم پہلے ہمیں سوال کا جواب دے دو، پھر عنقریب ایسا کر لو گے۔''

(صحیح ابن حبان : ٣١١٣، المستدرك للحاكم : ٣٧٩/١۔٣٨٠، وسندہٗ حسنٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے امام مسلم رحمہ اللہ کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔

(مجمع الزوائد للهيثمی : ٥١/٣۔٥٢)

ثابت البنانی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: اللّٰهمّ ! إن كنت أعطيت أحدا أن

یصلّی لک فی قبرہ ، فأعطنی ذلک . ''اے اللہ! اگر تُو کسی کو یہ توفیق دے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لیے نماز پڑھے تو مجھے یہ توفیق دینا۔'' (مسند علی بن الجعد: ۱۳۷۹، المعرفۃ والتاریخ للفسوی: ۵۹/۲، شعب الایمان للبیہقی: ۱۵۵/۳، ح: ۱۳۹۱، وسندہٗ صحیحٌ)

قارئین کرام! اب مسئلہ واضح ہو گیا ہے کہ بعض لوگوں کے پاس دلائل نہیں۔ اسی لیے وہ اِدھر اُدھر ہاتھ مار رہے ہیں۔ جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، وہ خواہ قرآنی ہوں یا حدیثی، اگر ان سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا تو سلف صالحین ضرور ایسا سمجھتے اور کرتے یا کم از کم اس کے جواز و مشروعیت کے قائل ہوتے۔

علامہ ابن الحاج (م ۷۳۷ھ) صلاۃ الرغائب کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ما حدث بعد السلف رضی اللّٰہ عنھم لا یخلو إمّا أن یکونوا علموہ وعلموا أنّہ موافق للشریعۃ ولم یعملوا بہ ، ومعاذ اللّٰہ أن یکون ذلک ، إذ أنّہ یلزم منہ تنقیصھم وتفضیل من بعدھم علیھم ، ومعلوم أنّھم أکمل الناس فی کلّ شیء ، وأشدّھم اتّباعا ، وإمّا أن یکونوا علموہ وترکوا العمل بہ ، ولم یترکوہ إلا لموجب أوجب ترکہ ، فکیف یمکن فعلہ ؟ ھذا ممّا لا یتحلّل ، وإمّا أن یکونوا لم یعلموہ ، فیکون من ادّعی علمہ بعدھم أعلم منھم ، وأعرف بوجوہ البرّ وأحرص علیھا ، ولو کان ذلک خیرا لعلموہ ، ولظھر لھم ، ومعلوم أنّھم أعقل الناس وأعلمھم ... ''جو چیزیں سلف صالحین رضی اللہ عنہم کے بعد ظہور میں آئی ہیں۔ وہ تین حال سے خالی نہیں: یا تو سلف کو ان کا علم تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ وہ چیزیں شریعت کے موافق ہیں، پھر انہوں نے ان پر عمل نہیں کیا۔ معاذ اللہ! ایسا تو ممکن نہیں، کیونکہ اس سے سلف صالحین کی تنقیص ہوتی ہے اور بعد والوں کی ان پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ سب لوگوں سے ہر چیز میں کامل تھے اور سب سے بڑھ کر شریعت کا

اتباع کرنے والے تھے۔ دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ سلف صالحین کو ان چیزوں کا علم تو تھا، لیکن انہوں نے ان پرعمل چھوڑ دیا تھا۔ انہوں نے کسی ایسی دلیل کی وجہ سے یہ عمل چھوڑا تھا جو اس کے چھوڑنے کو واجب کرتی تھی۔ جب ایسا تھا تو ان کا کرنا اب جائز کیسے ہوا؟ پھر تو یہ ایسے کاموں میں سے ہیں جو حلال نہیں۔ تیسری صورت یہ فرض کی جاسکتی ہے کہ پھر سلف صالحین کو ان چیزوں کا علم ہی نہیں تھا۔ اس طرح تو جو شخص ان کے بعد ان چیزوں کے علم کا دعویٰ کرے گا، وہ سلف سے زیادہ علم والا ہوگا اور نیکی کے کاموں کو زیادہ جاننے والا ہوگا اور نیکی پر زیادہ حریص ہوگا۔ حالانکہ اگر یہ نیکی کے کام ہوتے تو سلف صالحین ان کو جانتے ہوتے۔ یہ بات معلوم ہے کہ وہ سب لوگوں سے بڑھ کر عقل منداور عالم تھے......'' (المدخل لابن الحاج : ٢٧٨/٤)

مروّجہ عید میلاد النبی بدعت ہے :

یہی حال ہے مروّجہ عید میلاد النبی کا۔ اس کے بدعت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ قرآن وحدیث میں اگر اس کی کوئی دلیل ہوتی تو صحابہ کرام اور سلف صالحین کو اس کا علم ہوتا اور وہ ضرور اس پرعمل کرتے۔ معلوم ہوا کہ یہ بلاشک وشبہ بدعت ہے، جیسا کہ:

① تاج الدین عمر بن علی فاکہانی رحمہ اللہ (م۷۳۴ھ) فرماتے ہیں:

إن عمل المولد بدعة مذمومة . ''مولد کا عمل مذموم بدعت ہے۔''

(الحاوی للفتاوی للسیوطی : ١٩٠/١ [٢٤])

نیز فرماتے ہیں: **لا أعلم لهذا المولد أصلا فی کتاب ولا سنّة ، ولا ینقل عمله عن أحد من علماء الأمّة الذین هم القدوة فی الدین المتمسّکون بآثار المتقدّمین ، بل هو بدعة أحدثها البطّالون وشهوة نفس اعتنی بها الأکّالون .** ''میں اس میلاد کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں نہیں پاتا۔ نہ ہی اس کا عمل ان علمائے امت سے منقول ہے جو دین میں ہمارے پیشوا ہیں اور متقدمین کے آثار کو لازم

پکڑنے والے ہیں، بلکہ یہ ایسی بدعت ہے جسے باطل پرست لوگوں نے ایجاد کیا ہے اور ایسی نفسانی خواہش ہے جس کا اہتمام شکم پرور (پیٹ پرست) لوگوں نے کیا ہے۔''

(الحاوی للسیوطی : ۱/۱۹۰۔۱۹۱)

② علامہ شاطبی رحمہ اللہ (م ۷۹۰ھ) نے بھی عید میلاد النبی کو بدعت قرار دیا ہے۔

(الاعتصام للشاطبی : ۱/۳۹)

③ شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱۔۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

فإنّ هذا لم يفعله السلف مع قيام المقتضى له ، وعدم المانع منه ، ولو كان هذا خيرا محضا أو راجحا لكان السلف رضى الله عنهم أحقّ به منّا ، فإنّهم كانوا أشدّ محبّة لرسول الله وتعظيما له منّا ، وهم على الخير أحرص .

''یہ کام سلف صالحین نے نہیں کیا، باوجود اس بات کے کہ اس کا تقاضا (تعظیمِ رسول) موجود تھا اور کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔ اگر یہ کام بالکل خیر والا یا زیادہ خیر والا ہوتا تو اسلاف اس پر عمل کے حوالے سے ہم سے زیادہ حقدار تھے، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی تعظیم میں ہم سے بڑھ کر تھے اور وہ نیکی کے زیادہ طلب گار تھے۔''

(اقتضاء الصراط المستقيم لابن تيمية : ص ۲۹۵)

④ حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

أصل عمل المولد بدعة ، لم تنقل عن أحد من السلف الصالح من القرون الثلاثة . ''میلاد کے عمل کی اصل بدعت ہے۔ یہ عمل تین (مشہود لہا بالخیر) زمانوں کے سلف صالحین میں سے کسی سے منقول نہیں۔'' (الحاوی للفتاوی للسیوطی : ۱/۱۹۶)

⑤ محمد بن محمد بن محمد ابن الحاج (م ۷۳۷ھ) فرماتے ہیں:

فإن خلا منه وعمل طعاما فقط ، ونوى به المولد ودعا إليه الإخوان ، وسلم من كلّ ما تقدّم ذكره ، فهو بدعة بنفس نيّته فقط ، لأنّ ذلك زيادة فى

الـديـن ولـيـس من عمل السلف الماضين ، واتّباع السلف أولى ، ولم ينقل عن أحد منهم أنه نوى المولد ، ونحن تبع ، فيسعنا ما وسعهم .

''اگر میلاد اس (گانے) سے خالی ہو اور صرف کھانا بنایا جائے اور نیت میلاد کی ہو اور کھانے پر دوست احباب کو مدعو کیا جائے۔ یہ کام اگر مذکورہ قباحتوں سے خالی بھی ہو تو یہ صرف اس کی نیت کی وجہ سے بدعت بن جائے گا، کیونکہ یہ دین میں زیادت ہے۔سلف صالحین کا اس پر عمل نہیں۔سلف کی اتباع ہی لائقِ عمل ہے۔سلف صالحین میں سے کسی سے یہ منقول نہیں کہ اس نے میلاد کی نیت سے کوئی کام کیا ہو۔ ہم سلف صالحین کے پیروکار ہیں۔ہمیں وہی عمل کافی ہو جائے گا جو سلف کو کافی ہوا تھا۔'' (الحاوی للفتاوی للسیوطی : ۱/۱۹۵)

⑥ حافظ سخاوی رحمہ اللہ (۸۳۱۔۹۰۲ھ) لکھتے ہیں: لـم يـفعله أحد من الـقرون الثلاثة ، إنّما حدث بعدُ . ''یہ کام تینوں زمانوں (صحابہ، تابعین اور تبع تابعین) میں سے کسی نے نہیں کیا۔ یہ تو بعد میں ایجاد ہوا۔'' («جاء الحق» از نعیمی : ۱/۲۳۶)

⑦ حافظ سیوطی رحمہ اللہ (۸۴۹۔۹۱۱ھ) فرماتے ہیں: وأوّل مـــن أحدث فعل ذلک صاحب أربل الملک المظفّر أبو سعيد كوكبری ...

''سب سے پہلے جس نے اسے ایجاد کیا وہ اربل کا بادشاہ مظفر ابوسعید کوکبری تھا۔''

(الحاوی للفتاوی للسیوطی : ۱/۱۸۹ [٢٤])

علمائے کرام کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ عید میلاد النبی سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے، بلکہ بعد کی ایجاد ہے۔ابن الحاج رحمہ اللہ (م۷۳۷ھ) نے کیا خوب کہا ہے:

فـالسـعيـد الـسـعيـد مـن شـدّ يـده عـلـى امتثـال الكتاب والسنّة والطريق الـمـوصـلـة إلـى ذلک ، وهـى اتّبـا ع الـسـلـف الـمـاضين رضوان اللّه عليهم أجمعيـــن ، لأنّهم أعلم بالسنّة منّا ، إذ هم أعرف بالمقال ، وأفقه بالحال ...

''کتنا خوش بخت ہے وہ شخص جو کتاب وسنت پر عمل اور کتاب وسنت کی طرف پہنچانے والے راستے کو مضبوطی سے پکڑ لیتا ہے ۔ کتاب وسنت کی طرف پہنچانے والا راستہ سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین کا راستہ ہے، کیونکہ وہ سنت کو ہم سے بڑھ کر جاننے والے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قولِ رسول ﷺ کے زیادہ عالم، دین کے متعلق باتوں کو بخوبی جاننے والے اور اس وقت کے حالات کو زیادہ سمجھنے والے تھے۔'' (المدخل لابن الحاج : ۱۰/۲)

علامہ ابنِ رجب رحمہ اللہ (۷۳۶۔۷۹۵ھ) نے بھی کیا خوب لکھا ہے:

فأمّا ما اتّفق السلف على تركه ، فلا يجوز العمل به ، لأنّهم ما تركوه إلّا على علم أنّه لا يعمل به . ''جس کام کو چھوڑنے پر سلف صالحین نے اتفاق کیا ہو، اس پر عمل جائز نہیں، کیونکہ بلاشبہ انہوں نے یہ جان کر ہی اسے چھوڑا ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔'' (فضل علم السلف على علم الخلف لابن رجب : ص ۳۱)

معلوم ہوا کہ جس کام کے چھوڑنے پر سلف صالحین متفق ہوں، اس کا کو کرنا جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جشنِ عید میلاد النبی اور ذکرِ ولادت پر کھڑا ہونا اور اس طرح کی دوسری بدعات وخرافات سلف صالحین، ائمہ اہل سنت اور متقدمین سے قطعاً ثابت نہیں ہیں، لہٰذا یہ امور بدعاتِ سیئہ اور افعالِ شنیعہ ہیں۔

تیمّم کا طریقہ

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمّم کا طریقہ بتاتے ہوئے زمین پر اپنے ہاتھوں کو ایک دفعہ مارا، پھر ان کو جھاڑا، پھر بائیں ہاتھ کو (دائیں) ہتھیلی کے اوپر والے حصے پر پھیرا اور (دائیں) ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے اوپر والے حصے پر پھیرا، پھر ان دونوں کو اپنے چہرۂ مبارک پر پھیرا۔'' (صحیح البخاری : ۳۴۷)

خلیفہ بلافصل کون؟

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اہلِ سنت والجماعت کا اتفاقی واجماعی عقیدہ ہے کہ سیدنا ومولانا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چوتھے برحق خلیفہ اور امیر المومنین ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل ومناقب ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سے محبت عین ایمان اور آپ سے بغض نفاق ہے۔اس کے برعکس بعض لوگ آپ رضی اللہ عنہ کوخلیفہ بلافصل کہتے ہیں۔وہ اس حوالے سے بعض قرآنی آیات بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔آیئے جائزہ لیتے ہیں کہ ان آیات سے ان کا موقف ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

قرآنی دلیل نمبر ① :

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴾ (المائدة : ٥٥)

''بلاشبہ تمہارے دوست، اللہ، اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔''

شیعہ عالم طوسی کہتے ہیں: وأمّا النصّ على إمامته من القرآن، فأقوى ما يدلّ عليه قوله تعالىٰ : ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴾ (المائدة : ٥٥)

''رہی قرآنِ کریم سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی دلیل تو اس پر سب سے قوی دلیل یہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴾ (المائدة : ٥٥) (بلاشبہ تمہارے دوست، اللہ، اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں)......'' (تلخيص الشافي : ١٠/٢)

مشہور شیعہ طبرسی لکھتے ہیں: **وهذه الآية من أوضح الدلائل على صحّة إمامة عليّ بعد النبيّ بلا فصل .** ''یہ آیت اس بات کی سب سے واضح دلیل ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت بلافصل کا قول دُرست ہے۔''

(مجمع البیان للطبرسی : ۱۲۸/۲)

اسی طرح ابن المطہر الحلی نے اپنی منہاج الکرامۃ (ص ۱۴۷) میں سب سے پہلی دلیل یہی ذکر کی ہے۔

بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے: ''اس آیت کے حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہونے پر تمام مفسرین ومحقق محدثین کا اتفاق ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب علامہ حلی نے کتاب کشف الحق میں اس کے نزول کے متعلق یہ دعویٰ کیا کہ **أجمعوا على نزولها في عليّ** یعنی مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔''

(اثبات الامامت از محمد حسین ڈھکو : ص ۱۴۴،۱۴۸)

تبصرہ : یہ کائنات کا بدترین جھوٹ ہے۔ یہ بات لکھنے والے نے اپنے علم اور عقل پر ظلم کیا ہے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱ ۔ ۷۲۸ھ) نے سچ فرمایا ہے: **وقد رأينا في كتبهم من الكذب والإفتراء على النبيّ صلّى اللّٰه عليه وسلّم وصحابته وقرابته أكثر ممّا رأينا من الكذب في كتب أهل الكتاب من التوراة والإنجيل .** ''ہم نے ان لوگوں (رافضیوں) کی کتابوں میں نبیِ اکرم ﷺ، آپ کے صحابہ کرام اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت پر جو جھوٹ پایا ہے، وہ تورات وانجیل میں اہلِ کتاب کے (شامل کیے ہوئے) جھوٹ سے بھی بڑھ کر ہے۔''(مجموع الفتاوی لابن تیمیۃ : ۴۸۲/۲۸)

نیز فرماتے ہیں: **وقد اتّفق أهل العلم بالنقل والرواية والإسناد أنّ الرافضة من أكذب الطوائف ، والكذب فيهم قديم .** ''حدیث، روایت

اور اسناد کے علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ روافض سب فرقوں سے بڑھ کر جھوٹے ہیں اور جھوٹ ان میں بہت قدیم زمانے سے چلا آ رہا ہے۔'' (منهاج السنة لابن تيمية : ۵۹/۱)

جواب نمبر ① : یہ آیتِ کریمہ عام ہے اور سارے کے سارے اہلِ ایمان کو شامل ہے۔ حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۰۔۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ولم ينزل في عليّ شيء من القرآن بخصوصيّته .

''قرآنِ کریم کی کوئی آیت خاص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل نہیں ہوئی۔''

(البداية والنهاية لابن كثير : ۳۹٤/۷)

مفسر فخر الدین رازی رحمہ اللہ (۵۴۴۔۶۰۶ھ) اس قول کا بطلان ثابت کرتے ہوئے کہ یہ آیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، لکھتے ہیں: **إنّ عليّ بن أبي طالب كان أعرف بتفسير القرآن من هؤلاء الروافض ، فلو كانت هذه الآية دالّة على إمامته لاحتجّ بها في محفل من المحافل ، وليس للقوم أن يقول : إنّه تركه للتقيّة ، فإنّهم ينقلون عنه أنّه تمسّك يوم الشورى بخبر الغدير وخبر المباهلة وجميع فضائله ومناقبه ، ولم يتمسّك ألبتّة بهذه الآية في إثبات إمامته ، وذلك يوجب القطع بسقوط قول هؤلاء الروافض لعنهم الله .**

''یقیناً سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قرآن کی تفسیر ان رافضیوں سے زیادہ جانتے تھے۔ اگر اس آیت میں ان کی امامت کی کوئی دلیل ہوتی تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کسی نہ کسی محفل میں اس سے دلیل ضرور لیتے۔ رافضیوں کا یہ کہنا دُرست نہیں کہ انہوں نے تقیہ کی وجہ سے ایسا نہ کیا۔ وہ ان سے نقل کرتے ہیں کہ وہ شوریٰ والے دن غدیر، مباہلہ اور اپنے فضائل و مناقب کی کو بیان کرنے سے رُک گئے تھے۔ انہوں نے اپنی امامت کے اثبات میں قطعاً اس آیت سے استدلال نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رافضیوں کی بات قطعی طور پر غلط ہے۔'' (تفسير الرازي : ۲۵/۱۲)

نیز فرماتے ہیں: **وأمّا استدلالهم بأنّ هذه الآية نزلت في حقّ**

علیّ فهو ممنوع ، وقد بیّنا أنّ أکثر المفسّرین زعموا أنّه فی حقّ الأمّة .

''رافضیوں کا اس آیت سے استدلال کرنا کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی، غلط ہے۔ہم نے یہ بیان کر دیا ہے کہ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت پوری امت کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔''(تفسیر الرازی : ۲۵/۱۲)

سنی امام طبری رحمہ اللہ (۲۲۴۔۳۱۰ھ) لکھتے ہیں: فیھا قولان : الأوّل أنّ المراد عامّة المسلمین ، لأنّ الآیة نزلت علی وفق ما مرّ من قصّة عبادة بن الصامت رضی اللّٰہ عنه ، والقول الثانی أنّھا فی شخص معیّن ورُوی أنّه أبو بکر ورُوی أنّه علیّ . ''اس میں دو قول ہیں۔پہلا تو یہ کہ اس سے مراد عام مسلمان ہیں، کیونکہ یہ آیت سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے مذکور قصہ کے مطابق نازل ہوئی۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایک معین شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ایک روایت میں وہ شخص سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ایک روایت کے مطابق وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔''(تفسیر الطبری : ۲۸۸/٦)

پھر امام طبری رحمہ اللہ نے دوسرے قول کا ردّ بھی کیا ہے۔

امام سدّی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ھم المؤمنون ، وعلیّ منھم .

''اس سے مراد سب مؤمن ہیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ انہی میں سے ہیں۔''

(تفسیر ابن ابی حاتم : ۱۱۰/۵، وسندہٗ حسنٌ)

مشہور مفسر علامہ قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰۔۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: والذین عامّ فی جمیع المؤمنین . ''الذین کا لفظ سب مؤمنوں کے لیے عام ہے۔''

(تفسیر القرطبی : ۲۲۱/٦)

عبدالملک بن ابی سلیمان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: سألت أبا جعفر محمّد ابن علیّ عن قوله عزّ وجلّ : ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴾ (المائدة : ٥٥) ، قال : أصحاب

محمّد صلى الله عليه وسلم ، قلت : يقولون : هو عليّ ، قال : عليّ منهم .

''میں نے ابوجعفر محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ سے اس فرمانِ باری تعالیٰ کے بارے میں پوچھا: ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴾ (المائدۃ : ۵۵) انہوں نے فرمایا: اس سے مراد محمد ﷺ کے صحابہ ہیں۔ میں نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ اس سے مراد سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ بھی صحابہ کرام میں شامل ہیں۔'' (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصبہانی : ۱۵۸/۳، وسندہٗ حسنٌ)

لو جناب! یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی کی بیان کردہ تفسیر ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ آیتِ کریمہ خاص طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل نہیں ہوئی۔

نیز عبدالملک بن سلیمان بیان کرتے ہیں: قلت : من الذين آمنوا ؟ قال : الـذين آمنوا ! قلنا : بلغنا أنّه نزلت في عليّ بن أبي طالب ، قال : عليّ من الذين آمنوا . ''میں نے (امام ابوجعفر الباقر رحمہ اللہ سے) عرض کیا: اس آیت میں الذين آمنوا سے مراد کون لوگ ہیں۔ انہوں نے جواب دیا: مؤمن لوگ۔ ہم نے عرض کیا: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ یہ آیت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ انہوں نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ بھی مؤمن لوگوں میں سے ایک ہیں۔'' (تفسیر الطبری : ۲۸۸/٦، وسندہٗ صحیحٌ)

نحاس کہتے ہیں: وهذا قول بيّن ، لأنّ الذين آمنوا جماعة .

''یہ بات (اس آیت سے تمام صحابہ کرام کا مراد ہونا) بہت واضح ہے، کیونکہ الذین آمنوا سے ایک جماعت مراد ہے۔'' (تفسیر القرطبی : ۲۲۱/٦)

فائدہ : یہ آیتِ کریمہ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (تفسیر الطبری : ۲۸۸/٦، سیرۃ ابن ہشام : ۵۲/۳۔۵۳، وسندہٗ حسنٌ)

مفسر رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لـمّـا نهى في الآيـات الـمتقدّمة عن موالاة الكفّار ، أمر في هذه الآية بموالاة من تجب موالاته .

''چونکہ گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دوستی سے منع کیا تھا، اس آیت میں ان لوگوں سے دوستی کا حکم دیا ہے جن سے دوستی ضروری ہے۔'' (تفسیر الرازی : ۲۵/۱۲)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **إنّه من المعلوم المستفیض عند أهل التفسیر خلفا عن سلف أنّ هذه الآیة نزلت فی النهی عن موالاة الکفّار ، والأمر بموالاة المؤمنین .** ''سلف سے لے کر خلف تک تمام مفسرین کے ہاں یہ بات معلوم ومشہور ہے کہ یہ آیت کفار کی دوستی سے ممانعت اور مؤمنوں سے دوستی کے حکم کے بارے میں نازل ہوئی۔'' (منهاج السنة لابن تیمیة : ٥/٤)

جواب نمبر ② :

آیتِ مذکورہ میں لفظِ ولی کی تفسیر وتعبیر میں علامہ رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لم لا یجوز أن یکون المراد من لفظ الولیّ فی هذه الآیة الناصر والمحبّ ؟ ونحن نقیم الدلالة علی أنّ حمل لفظ الولیّ علی هذا المعنی أولی من حمله علی معنی المتصرّف ، ثمّ نجیب عمّا قالوه ، فنقول : الذی یدلّ علی أنّ حمله علی الناصر أولی وجوه ، الأول : أنّ اللائق بما قبل هذه الآیة وبما بعدها ، لیس إلّا هذا المعنی ، أمّا ما قبل هذه لآیة ، فلأنّه تعالی قال :﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی أَوْلِیَاءَ ﴾ (المائدة :٥١)، **ولیس المراد لا تتّخذوا الیهود والنصاری أئمّة متصرّفین فی أرواحکم وأموالکم ، لأنّ بطلان هذا کالمعلوم بالضرورة ، بل المراد لا تتّخذوا الیهود والنصاری أحباباً وأنصاراً ، ولا تخالطوهم ولا تعاضدوهم ، ثمّ لمّا بالغ فی النهی عن ذلک قال : إنّما ولیّکم اللّٰه ورسوله والمؤمنون والموصوفون ، والظاهر أنّ الولایة المأمور بها ههنا هی المنهیّ عنها فیما قبل ، ولمّا کانت الولایة المنهیّ عنها فیما قبل هی الولایة بمعنی النصرة ، کانت الولایة المأمور**

بها هى الولاية بمعنى النصرة ، وأمّا ما بعد هذه الآية فهى قوله : ﴿ يآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ ﴾ (المائدة : ٥٧) ، فأعاد النهى عن اتّخاذ اليهود والنصارى والكفّار أولياء ، ولا شكّ أنّ الولاية المنهىّ عنها هى الولاية بمعنى النصرة ، فكذلك الولاية فى قوله ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ﴾ يجب أن تكون هى بمعنى النصرة ، وكلّ من أنصف وترك التعصّب وتأمّل فى مقدّمة الآية وفى مؤخّرها قطع بأنّ الولى فى قوله ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ﴾ ليس إلّا بمعنى الناصر والمحبّ ، ولا يمكن أن يكون بمعنى الإمام ، لأنّ ذلك يكون إلقاء كلام أجنبىّ فيما بين كلامين مسوقين لغرض واحد ، وذلك يكون فى غاية الركاكة والسقوط ، ويجب تنزيه كلام اللّٰه تعالى عنه .

الحجّة الثانية : أنّا لو حملنا الولاية على التصرّف والإمامة لما كان المؤمنون المذكورين فى الآية موصوفين بالولاية حال نزول الآية ، لأنّ علىّ ابن أبى طالب كرّم اللّٰه وجهه ما كان نافذ التصرّف حال حياة الرسول ، والآية تقتضى كون هؤلاء المؤمنون موصوفين بالولاية فى الحال ، أمّا لو حملنا الولاية على المحبّة والنصرة كانت الولاية حاصلة فى الحال ، فثبت أنّ حمل الولاية على المحبّة أولى من حملها على التصرّف ، والّذى يؤكد ما قلناه أنّه تعالى منع المؤمنين من اتّخاذ اليهود والنصارى أولياء ، ثمّ أمرهم بموالاة هؤلاء المؤمنين ، فلا بدّ أن تكون موالاة هؤلاء المؤمنين حاصلة فى الحال حتّى يكون النفى والإثبات متواردين على شىء واحد ، ولمّا كانت الولاية بمعنى التصرّف غير حاصلة فى الحال امتنع حمل الآية عليها .

''اس آیت میں لفظِ ولی کو ناصر اور محبّ کے معنیٰ میں کرنا کیوں جائز نہیں؟ ہم دلائل دیتے ہیں کہ اس آیت میں لفظِ ولی کو اس معنیٰ پر محمول کرنا اس کو ولایت وتصرف کے معنیٰ پر

محمول کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔اس کے بعد ہم مخالفین کی باتوں کا جواب دیں گے۔ہم کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظِ ولی کو ناصر کے معنیٰ پر محمول کرنے پر کئی دلائل ہیں۔پہلی دلیل تو یہ ہے کہ ماقبل اور مابعد والی آیت کو مدنظر رکھنے سے صرف یہی معنیٰ دُرست رہتا ہے،اس سے پہلے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى أَوْلِيَاءَ ﴾ (المائدۃ:۵۱) (اے ایمان والو!تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ)۔یہاں یہ مراد نہیں کہ تم یہود ونصاریٰ کو اپنی جانوں اور مالوں پر تصرف کرنے والے مت بناؤ،اس معنیٰ کا بطلان تو بالکل واضح ہے۔بلکہ یہاں مراد یہ ہے کہ تم یہود ونصاریٰ کو دوست احباب اور مددگار نہ بناؤ۔ان سے مل جل کر نہ رہو اور باہمی تعاون نہ کرو۔پھر جب اس ممانعت میں مبالغہ کرنا چاہا تو فرمایا:اے ایمان والو!تمہارے دوست اور مددگار تو صرف اللہ ورسول اور وہ مؤمن لوگ ہیں جو ان صفات سے موصوف ہیں۔ظاہر بات ہے کہ یہاں جس ولایت کا حکم دیا گیا ہے،وہی ہے جس سے پچھلی آیت میں منع کیا گیا تھا۔جب گذشتہ آیت میں یہود ونصاریٰ سے محبت والی ولایت سے منع کیا گیا تھا تو اس آیت میں اللہ ورسول اور مؤمنوں کے ساتھ جس ولایت کا حکم دیا گیا ہے،وہ نصرت والی ولایت ہی ہے۔بعد والی آیت کو دیکھیں تو اس میں فرمان ہے:﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوْتُوْا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوْا اللّٰهَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (المائدۃ:۵۷) (اے ایمان والو!تم ان اہل کتاب کو ولی مت بناؤ جنہوں نے تمہارے دین کو مذاق اور کھیل تماشا بنایا ہے۔اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم مؤمن ہو تو)اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود ونصاریٰ کو ولی بنانے کی ممانعت دہرائی ہے۔اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ اس آیت میں بھی ولایت سے وہی ولایت مراد ہے جس سے گذشتہ آیت میں منع کیا گیا تھا۔ضروری ہے کہ بالکل یہی ولایت اس آیت میں مراد ہو: ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ... ﴾ (یقیناً تمہارا ولی اللہ تعالیٰ،اس کا رسول اور وہ مؤمن ہیں،جو......) ہر منصف اور غیر متعصب شخص جو اس آیت کے آغاز اور اختتام میں غور کرے گا،یہی قطعی فیصلہ

کرے گا کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ﴾ میں لفظِ ولی سے مراد ناصر اور محبّ کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ یہاں لفظِ ولی امام کے معنیٰ میں نہیں ہوسکتا، کیونکہ ایسا کرنا تو دو ہم معنیٰ کلاموں میں ایک غیر متعلقہ بات کو داخل کرنے کے مترادف ہوگا۔ یہ چیز بہت بڑی کمزوری اور غلطی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کلام کو اس چیز سے منزہ قرار دینا واجب ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر ہم ولایت کو اس آیت میں امامت کے معنیٰ پر محمول کریں تو وہ مؤمن جن کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے، اس آیت کے نزول کے وقت وہ اس ولایت سے متصف نہیں تھے۔ کیونکہ سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں تصرف کو نافذ کرنے والے نہیں تھے۔ یہ آیت تو تقاضا کرتی ہے کہ آیت کے نزول کے وقت مؤمن ولایت سے متصف تھے۔ ہاں! اگر ہم اس آیت میں ولایت کو محبت و نصرت پر محمول کریں تو اس وقت مؤمنوں کو ولایت حاصل تھی۔ ثابت ہوا کہ اس آیت میں ولایت کو محبت و نصرت پر محمول کرنا امامت پر محمول کرنے سے بہتر اور راجح ہے۔ ہماری بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو یہود و نصاریٰ کی ولایت سے روکا ہے، پھر ان کو مؤمنوں کی ولایت کا حکم دیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس وقت مؤمنوں کو وہ ولایت حاصل ہو جس کے ساتھ انہیں متصف کیا گیا تھا تاکہ نفی اور اثبات کا تسلسل ایک ہی چیز پر قائم ہوسکے۔ جب اس وقت ولایت بمعنیٰ تصرف حاصل نہیں تھی تو اس آیت کو اس پر محمول کرنا ممنوع ہے۔'' (تفسیر الرازی: ۲۸/۱۲۔۳۲)

اگر کوئی کہے کہ یہ آیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر دلیل ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کی زندگی میں نہیں، بلکہ بعد میں تو اس کے جواب میں مفسر رازی لکھتے ہیں:

ومتى قالوا ذلك فنحن نقول بموجبه، ونحمله على إمامته بعد أبي بكر وعمر وعثمان، إذ ليس في الآية ما يدلّ على تعيين الوقت.

''جب وہ (رافضی) ایسا کہیں تو ہم بھی یہی بات کہتے ہیں، لیکن ہم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی امامت کو سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے بعد محمول کرتے ہیں، کیونکہ اس آیت میں وقت کی تعیین

پر کوئی دلیل نہیں۔'' (تفسیر الرازی : ۲۸/۱۲)

جواب نمبر ③ : سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ ظہر پڑھی۔ ایک سائل نے سوال کیا مگر جب کسی نے اسے کچھ نہ دیا تو سائل نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہا: اے اللہ! تو گواہ رہنا، میں نے تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سوال کیا مگر کسی نے مجھے کچھ نہ دیا۔ اس وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ رکوع کی حالت میں تھے۔ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے جس میں انگوٹھی تھی، اشارہ کیا۔ سائل آیا اور اس نے انگوٹھی اتار لی ۔ یہ منظر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے .... نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ۔ دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ جبریل یہ آیتِ مبارکہ لے کر نازل ہوئے:

﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ... ﴾.................. ۔'' (تفسیر الثعلبی : ۸۰/٤۔۸۱)

تبصرہ : یہ دنیا کی جھوٹی روایت ہے۔ سوائے (سلیمان بن مہران) الاعمش کے اس میں کوئی ثقہ راوی نہیں۔

۱۔ یحییٰ بن عبدالحمید الحمانی راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' راوی ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **و كان يكذب جهارا .**

''یہ کھلم کھلا جھوٹ بولتا تھا۔'' (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۱٦۹/۹)

اسماعیل بن موسیٰ نسیب السدی کہتے ہیں: **هو كذّاب .**

''یہ جھوٹا راوی ہے۔'' (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۱٦۹/۹، وسندهٗ صحيحٌ)

اس کو امام ابوحاتم الرازی، امام ابوزرعہ الرازی، امام علی بن الحسین بن الجنید، امام عبداللہ بن نمیر، امام علی بن المدینی اور جمہور نے ''ضعیف'' کہا ہے، جیسا کہ حافظ ابن القطان الفاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فإنّ جماعة ، وهم الأكثرون يضعّفونه .**

''محدثین کی ایک جماعت جو کہ زیادہ ہیں، وہ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔''

(بیان الوهم والايهام لابن القطان : ۱٤۰٤)

حافظ ابن الملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعّفه الجمهور .** ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(البدر المنير لابن الملقن : ٢٢٤/٣)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وضعّفه الجمهور .** ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(لسان الميزان لابن حجر : ٤٣٤/٧)

٢۔ اس روایت کا دوسرا راوی قیس بن الربیع بھی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **ضعّفه الجمهور .**

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(المغنی عن حمل الاسفار للعراقی : ٧٠/٤، فيض القدير للمناوی : ٩٢/٣)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعّفه الناس .** ''اسے لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(مجمع الزوائد : ١٩٠/٢)

٣۔ اس روایت کی سند کا تیسرا راوی عبایۃ بن ربعی ''متکلم فیہ'' ہے۔امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے ''غالی ملحد'' قرار دیا ہے۔(الضعفاء الكبير للعقيلی : ٤١٥/٣)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے ''غالی شیعہ'' قرار دیا ہے۔(ميزان الاعتدال للذهبی : ٣٨٧/٢)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **كان من عتق الشيعة ، قلت : ما حاله ؟ قال : شيخ .** ''پرانے شیعوں میں سے تھا۔(ابن ابی حاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: اس کی حالت کیسی تھی؟ فرمایا: وہ شیخ تھا۔''

(الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ٢٩/٧)

٤۔ اس میں اعمش راوی مدلس ہیں جو کہ ''عن'' سے روایت کر رہے ہیں۔سماع کی تصریح نہیں کی، لہٰذا یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔

٥۔ اس کے راوی السری بن علی الوراق ٦۔ المظفر بن الحسن الانصاری

٧۔ ابوعلی احمد بن علی بن رزین ٨۔ ابومحمد عبداللہ بن احمد الشعرانی

۹۔ ابوالحسن محمد بن القاسم

کی توثیق درکار ہے، لہٰذا یہ روایت ''موضوع و مکذوب'' ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس سند کو ''ساقط'' قرار دیا ہے۔

(الکاف الشاف فی تخریج احادیث الکشاف لابن حجر : ۶۴۹/۱)

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ...﴾ نازل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور مسجد میں داخل ہوئے۔ لوگ نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک سائل آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اے سوالی! آپ کو کسی نے کچھ دیا ہے؟ اس نے جواباً عرض کیا: **لا ، إلّا هذا الراكع ــ لعليّ ــ أعطاني خاتما .** (نہیں، سوائے علی کے کہ انہوں نے مجھے انگوٹھی دی ہے)۔'' (علوم الحدیث للحاکم : ص ۱۰۲، تاریخ ابن عساکر : ۳۵۷/۴۲)

تبصرہ : یہ جھوٹی روایت ہے۔ اس روایت کو گھڑنے والا شخص عیسیٰ بن عبداللہ بن محمد بن عمر ہے۔ اس کے بارے میں امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لم يكن بقويّ الحديث . ''اس کی حدیث قوی نہیں تھی۔''

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۲۸۰/۶)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ راوی ''متروک الحدیث'' ہے۔

(سنن الدارقطنی : ۲۶۳/۲)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ اس کی منکر احادیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وعامّة ما يرويه ما يتابع عليه . ''اس کی بیان کردہ اکثر روایات پر متابعت نہیں کی گئی۔'' (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ۲۴۵/۵)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **يروي عن أبيه عن آبائه أشياء موضوعة ، لا يحلّ الاحتجاج به ، كأنّه كان يهم ويخطىء .**

''یہ اپنے والد کے واسطے سے اپنے اجداد سے من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔ اس سے

دلیل لینا حرام ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ وہمی اور خطا کار راوی تھا۔''

(المجروحين لابن حبان : ۱۲۱/۲)

نیز امام موصوف اسے اپنی کتاب ''الثقات'' (۴۹۲/۸) میں ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **فی حدیثه بعض المناکیر .** ''اس کی بعض حدیثیں منکر ہیں۔''

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ کا پہلا قول ہی راجح ہے، کیونکہ وہ جمہور کے موافق ہے۔

امام ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **روی عن أبیه عن آبائه أحادیث مناکیر ، لا یکتب حدیثه ، لا شیء .** ''یہ اپنے والد کے واسطے سے اپنے اجداد سے منکر احادیث بیان کرتا ہے۔ اس کی حدیث لکھی بھی نہیں جائے گی۔ یہ حدیث میں کچھ بھی نہیں۔'' (کتاب الضعفاء لابی نعیم : ۱۷۵)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی ایک دوسری روایت کے بارے میں کہا ہے:

هذا لعلّه موضوع . ''شاید یہ موضوع روایت ہے۔''

(ميزان الاعتدال للذهبی : ۳۱۵/۳)

ثابت ہوا کہ اس راوی کے حق میں کوئی توثیق ثابت نہیں۔

③ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک سوالی کھڑا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ حالتِ رکوع میں تھے، نماز نفلی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اس سوالی کو دے دی۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں آگاہی دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ... ﴾ (المعجم الكبير للطبرانی : ٦٢٢٨)

تبصرہ : یہ باطل روایت ہے۔ اس کے راوی خالد بن یزید العمری کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم : ۳۶۰/۳، وسندہٗ صحیح) نے ''کذاب'' کہا ہے۔ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کان کذّابا ، أتیته بمکّة ، ولم أکتب عنه ، وکان ذاهب الحدیث .

''وہ بہت جھوٹا شخص تھا۔ میں اس کے پاس مکہ میں آیا تھا، لیکن اس سے کچھ نہیں لکھا۔ وہ حدیث میں بالکل ناکارہ تھا۔''(الجرح والتعدیل : ۳/۳٦۰)

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ نے اس سے روایت لینا ترک کر دیا تھا۔(ایضاً)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **یروی الموضوعات عن الأثبات .**

''یہ ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر کے من گھڑت روایات بیان کرتا تھا۔''

(المجروحین لابن حبان : ۱/۱۱٤، ۲۲٤)

کسی ثقہ امام سے اس کی توثیق ثابت نہیں، بلکہ باتفاقِ محدثین مجروح ہے۔

④ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: **کان علیّ بن أبی طالب قائما یصلّی ، فمرّ سائل وھو راکع ، فأعطاہ خاتمہ ، فنزلت : ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ...﴾** ''سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک سائل گزرا۔ آپ رضی اللہ عنہ اس وقت رکوع کی حالت میں تھے۔ آپ نے اسے اپنی انگوٹھی دے دی۔ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ﴿ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ...﴾ (تفسیر ابن کثیر : ۲/٥٦۷)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف و باطل'' ہے، کیونکہ:

۱۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ بالاجماع مدلس ہیں اور انہوں نے اس روایت میں سماع کی تصریح نہیں کی۔ جب ثقہ مدلس صحیح بخاری و مسلم میں محتمل الفاظ سے روایت کرے، سماع کی تصریح نہ کرے تو وہ ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

۲۔ امام ابنِ کثیر رحمہ اللہ خود لکھتے ہیں: **الضحّاک لم یلق ابن عبّاس .**

''امام ضحاک کی سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔''(ایضاً)

۳۔ تیسری بات یہ ہے کہ نیچے سے سند بھی غائب ہے۔

⑤ سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے یا آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ گھر کے ایک کونے میں سانپ تھا۔ جب

آپ ﷺ بیدار ہوئے تو یہ آیتِ کریمہ تلاوت کر رہے تھے: ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ...﴾
آپ ﷺ نے فرمایا: **يا أبا رافع ! سيكون بعدى قوم يقاتلون عليًا ، حقًا على اللّٰه جهادهم ، فمن لم يستطع جهادهم بيده ، فبلسانه ، فمن لم يستطع بلسانه فبقلبه ، ليس وراء ذلك شيء .** ''اے ابورافع! عنقریب میرے بعد کچھ لوگ علی (رضی اللہ عنہ) سے لڑائی کریں گے۔ان سے مقابلہ کرنا اللہ پر لازم ہوگا۔جو اپنے ہاتھ سے ان کے مقابلے کی سکت نہ رکھتا ہو، وہ اپنی زبان سے مقابلہ کرے، جو زبان سے مقابلے کی بھی سکت نہ رکھتا ہو، وہ اپنے دل کے ساتھ ان سے نفرت کرے۔اس سے کم کچھ مرتبہ نہیں۔''

(المعجم الكبير للطبراني : ۳۲۱/۱، ح : ۹۵۵)

تبصرہ : یہ روایت سخت ترین باطل ہے۔حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فيه محمّد بن عبيد اللّٰه بن أبى رافع ، ضعّفه الجمهور ، ووثّقه ابن حبّان ، ويحيى بن الحسن بن الفرات لم أعرفه ، وبقيّة رجاله ثقات .

''اس میں محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع راوی ہے۔اسے جمہور محدثین نے ضعیف کہا ہے، لیکن امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔یحییٰ بن الحسن بن الفرات کو میں نہیں جانتا۔اس کے باقی راوی ثقہ ہیں۔''(مجمع الزوائد : ۱۳٤/۹)

محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

منكر الحديث . ''یہ منکر الحدیث راوی ہے۔''(كتاب الضعفاء : ۳٤۲)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **حديثه ليس بشيء .**

''اس کی حدیث کسی کام کی نہیں۔''(الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۲/۸)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ضعيف الحديث ، منكر الحديث جدًا ذاهب .** ''یہ ضعیف الحدیث اور سخت منکر الحدیث، نیز بہت کمزور راوی ہے۔''(الجرح والتعديل لابن ابی حاتم : ۲/۸)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: متروک. ''یہ متروک راوی ہے۔''

(سوالات البرقانی : ٤٧٤)

امام ابنِ عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهو في عداد شيعة الكوفة ، ويروى من الفضائل أشياء لا يتابع عليها .** ''اس کا شمار کوفہ کے شیعہ میں ہوتا ہے۔اس سے ایسے فضائل مروی ہیں جن پر اس کی متابعت نہیں کی گئی۔''

(الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی : ٦/١١٤)

⑥ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: **خرج رسول الله صلّى الله عليه وسلّم إلى المسجد ، والناس يصلّون بين راكع وساجد وقائم وقاعد ، وإذا مسكين يسأل ، فدخل رسول الله صلّى الله عليه وسلّم ، فقال : أعطاك أحد شيئا ؟ قال : نعم ، قال : من ؟ قال : ذلك الرجل القائم ، قال : على أيّ حال أعطاكه ؟ قال : وهو راكع ، قال : وذلك عليّ بن أبي طالب .**

''رسول اللہ ﷺ مسجد کی طرف نکلے۔لوگ نماز پڑھ رہے تھے، کچھ رکوع میں، کچھ سجدے میں کچھ قیام اور کچھ قعود میں تھے۔اچانک ایک مسکین شخص سوال کرنے لگا۔اللہ کے رسول ﷺ داخل ہوئے تو فرمایا: کیا تجھے کسی نے کچھ دیا ہے؟اس نے کہا: جی ہاں!فرمایا: کس نے؟عرض کیا: اس قیام کرنے والے شخص نے۔فرمایا: اس نے کس حال میں تجھے دیا ہے؟عرض کیا: رکوع کی حالت میں۔فرمایا: وہ علی بن ابی طالب ہیں............۔''(تفسیر ابن کثیر : ٢/٥٦٧)

تبصرہ : یہ جھوٹی اور وضعی و من گھڑت روایت ہے۔یہ محمد بن السائب الکلبی کی کارستانی ہے۔یہ راوی باتفاقِ محدثین ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے۔

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں: **وهو متروك .** ''یہ متروک راوی ہے۔''(تفسیر ابن کثیر : ٢/٥٦٧)

اس روایت میں کلبی کا استاذ ابوصالح باذام بھی ''ضعیف'' ہے۔(تقریب التهذیب : ٦٣٤)

حافظ نووی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: **قال الأکثرون : لا یحتجّ به .**

''اکثر محدثین کرام کا کہنا ہے کہ اس سے حجت نہیں لی جاسکتی۔'' (خلاصة الاحکام : ۱۰٤٤/۲)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وهذا إسناد لا یفرح به ، ثمّ رواہ ابن مردویه من حدیث علیّ بن أبی طالب رضی اللّٰه عنه نفسه ، وعمّار بن یاسر ، وأبی رافع ، ولیس یصحّ شیء منها بالکلیّة لضعف أسانیدها وجهالة رجالها .**

''اس سند کے ساتھ خوش نہیں ہوا جاسکتا۔ پھر اس کو ابنِ مردُوَیہ نے سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا عمار بن یاسر، سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہم کی حدیث سے بھی بیان کیا ہے، لیکن ان میں سے کچھ بھی صحیح ثابت نہیں، کیونکہ ان کی سندیں ضعیف ہیں اور راوی مجہول ہیں۔''

(تفسیر ابن کثیر : ٥٦٧/۲)

فائدہ : سلمہ بن کہیل کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لقاء و سماع ثابت نہ ہوسکا۔ اس لیے یہ قول ''ضعیف'' ہے، نیز عقبہ بن ابی حکیم (تفسیر ابن ابی حاتم : ۱۱٦۲/٤) کا قول بھی ''ضعیف'' ہے۔ اس میں ایوب بن سوید راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

مجاہد رحمہ اللہ (تفسیر الطبری : ۲۸۸/٦) سے روایت ہے کہ وہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ لیکن یہ جھوٹا قول ہے۔ اس کا راوی غالب بن عبید اللہ بالاتفاق ''ضعیف'' اور ''متروک'' راوی ہے۔ اس کے حق میں ادنیٰ کلمۂ توثیق بھی ثابت نہیں ہے۔

سدّی (تفسیر الطبری: ۲۸۸/٦، وسندہٗ حسن) فرماتے ہیں کہ یہ آیت سارے کے سارے مؤمنوں کے بارے میں نازل ہوئی، نیز اس قول کے ساتھ ہی فرماتے ہیں:

ولکن علیّ بن أبی طالب مرّ به سائل ، وهو راکع فی المسجد ، فأعطاه خاتمه . ''لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس سے ایک سائل گزرا، آپ مسجد میں رکوع کی حالت میں تھے۔ آپ نے اسے اپنی انگوٹھی دے دی۔''

قول کا یہ حصہ ''منقطع'' ہے، کیونکہ سدی کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

قارئین کرام! آیتِ کریمہ ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ ...﴾ (المائدة : ٥٥) کی تفسیر کے حوالے سے بعض لوگوں کی یہ کل کائنات تھی، جس کا حشر آپ نے دیکھ لیا ہے۔ ایک بھی قول ثابت نہیں ہو سکا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ یہ آیت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس پر مفسرین کا اجماع ہے، یہ کائنات کا کالا جھوٹ ہے جو بعض لوگوں کے حصہ میں آیا ہے۔ اس آیت کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل ثابت کرنے کے لیے بطورِ نص پیش کرنا جہالت کا لُک توڑنے کے مترادف ہے اور قرآنِ کریم کی واضح معنوی تحریف ہے جو کہ اہلِ حق کو زیبا نہیں۔

علامہ ابنِ حیان اندلسی رحمہ اللہ (٦٥٤-٧٤٥ھ) اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: هذه أوصاف ميّز بها المؤمن الخالص الإيمان من المنافق ، لأنّ المنافق لا يدوم على الصلاة ولا على الزكاة قال تعالى : ﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ ، وقال تعالى : ﴿أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ﴾ ، ولمّا كانت الصحابة وقت نزول هذه الآية من مقيمي صلاة ومؤتي زكاة ، وفي كلتا الحالتين كانوا متّصفين بالخضوع لله تعالى والتذلّل له ، نزلت الآية بهذه الأوصاف الجليلة ، والركوع هنا ظاهره الخضوع ، لا الهيئة الّتي في الصلاة . ''ان اوصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے خالص ایمان والے مؤمنوں کو منافقوں سے ممتاز کیا ہے، کیونکہ منافق نماز اور زکاۃ پر دوام نہیں کر سکتا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ﴾ (منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو دھوکہ دیتا ہے)، نیز فرمایا: ﴿أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ﴾ (وہ بھلائی پر کنجوس ہیں)۔ جب صحابہ کرام اس آیت کے نزول کے وقت نماز قائم کرنے والے اور زکاۃ ادا کرنے والے تھے اور ان دونوں حالتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے خشوع و خضوع کے ساتھ متصف تھے تو ان صفات جلیلہ کے ساتھ یہ آیت نازل ہوگئی۔

اس آیت میں رکوع سے مراد اطاعت وفرمانبرداری ہے، نہ کہ نماز کی خاص حالت۔''

(البحر المحیط لابن حیان الغرناطی : ۵۱۴/۳)

نیز حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (۷۰۰۔۷۷۴ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فقد توهّم بعضهم أنّ هذه الجملة فی موضع الحال من قوله : ﴿ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ ﴾ أی فی حال ركوعهم ، ولو كان هذا كذلك ، لكان دفع الزكاة فی حال الركوع أفضل من غيره ، لأنّه ممدوح ، وليس الأمر كذلك عند أحد من العلماء ممّن نعلمه من أئمّة الفتوى . ''بعض لوگوں کو یہ وہم ہوا ہے کہ یہ جملہ ﴿ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ﴾ (وہ رکوع کرنے والے ہوتے ہیں) ﴿ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ ﴾ (اور وہ زکاۃ ادا کرتے ہیں) سے حال بن رہا ہے۔ یعنی مؤمن رکوع کی حالت میں زکاۃ ادا کرتے ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو رکوع کی حالت میں زکاۃ ادا کرنا باقی طریقوں سے افضل ہوتا، کیونکہ اس کی تعریف کی گئی ہے، لیکن ہم جن مفتی ائمہ کو جانتے ہیں، ان میں سے کسی کے ہاں ایسا نہیں ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : ۵٦٦/۲)

اس آیت سے شیعہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل ثابت کرنے کے استدلال کو شیخ الاسلام ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ (٦٦١۔۷۲۸ھ) نے ۱۹ طرح سے باطل قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

قوله (ابن مطهّر الحلی) : قد أجمعوا أنّها نزلت فی علیّ ، من أعظم الدعاوی الكاذبة ، بل أجمع أهل العلم بالنقل علی أنّها لم تنزل فی علیّ بخصوصه ، وأنّ الحديث من الكذب الموضوع ، وأنّ تفسير الثعلبیّ فيه طائفة من الموضوعات ، وكان حاطب ليل ، وفيه خير ودين ، ولكن لا خبرة له بالصحيح والسقيم من الأحاديث ، ثمّ نعفيک من دعوی الإجماع ، ونطالبک بسند واحد صحيح ، وما أوردته عن الثعلبیّ واه ، فيه رجال متّهمون . ''ابنِ مطہر حلی کا یہ قول کہ مفسرین کا اس آیت کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہونے پر اجماع ہے، جھوٹے دعاوی میں سے ایک ہے۔ اس کے برعکس ماہرینِ اسناد علمائے کرام کا تو اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت خاص سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں

نازل نہیں ہوئی اور اس بارے میں جو حدیث ہے، وہ گھڑی ہوئی اور جھوٹی روایت ہے، نیز تفسیر ثعلبی میں بہت سی من گھڑت روایات ہیں۔ ثعلبی حاطبِ لیل (رات کو لکڑیاں جمع کرنے والے جو خشک وتر میں کوئی فرق نہیں کر پاتے) تھے۔ اس تفسیر میں بھلائی اور دین کی باتیں موجود ہیں، لیکن ان کو صحیح وضعیف میں فرق کرنے کی کوئی مہارت نہیں تھی۔ پھر ہم آپ کو دعویٰ اجماع چھوڑتے ہیں اور کوئی ایک صحیح سند کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ثعلبی نے جو روایت بیان کی ہے، وہ کمزور ہے۔ اس میں متہم بالکذب راوی موجود ہیں۔'' (منهاج السنة : ٤/٤، المنتقٰی للذهبی : ص ٤١٩)

نیز فرماتے ہیں: **ولو كان المراد بالآية أن يؤتى الزكاة فى حالة الركوع لوجب أن يكون ذلك شرطا فى الموالاة ، ولا يتولّى المسلم إلا عليّا فقط ، فلا يتولى الحسن ولا الحسين ، ثمّ قوله ﴿ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ ﴾ صيغة جمع فلا تصدّق على واحد فرد ، وأيضا فلا يثنى على المرء إلا بمحمود ، وفعل ذلك فى الصلاة ليس بمستحبّ ، ولو كان مستحبّا لفعله الرسول صلّى اللّٰه عليه وسلّم ولحض عليه ولكرّر على فعله ، وإن فى الصلاة لشغلا ، فكيف يقال : لا وليّ لكم إلّا الذين يتصدّقون فى حال الركوع ؟**

''اگر اس آیت سے مراد یہ ہوتی کہ حالتِ رکوع میں زکاۃ دی جائے تو یہ چیز موالاۃ میں شرط قرار پاتی اور مسلمان صرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ہی ولی بنا سکتے۔ سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما بھی ولایت کے قابل نہ ہوتے۔ پھر قرآنِ کریم میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو کہ فردِ واحد پر صادق نہیں آ سکتا۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ کسی کی تعریف کسی قابلِ مدح کام کے ساتھ ہی کی جا سکتی ہے، جبکہ نماز میں زکاۃ دینا کوئی مستحب کام نہیں۔ اگر یہ کام مستحب ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کو کرتے، اس پر ترغیب دیتے اور بار بار ایسا کرتے۔ پھر نماز میں ایک اپنی مشغولیت ہوتی ہے، لہٰذا کیسے کہا جا سکتا ہے کہ تمہارے ولی صرف وہ لوگ بن سکتے ہیں جو رکوع کی حالت میں صدقہ کرتے ہیں؟'' (منهاج السنة : ٥/٤، المنتقٰی للذهبی : ٤٣٧)